McGill University Library
3 103 258 250 X
ISLAMIC
DS481
L35
A5
1900z
v.1

MG4P .R134m
INSTITUTE
OF
ISLAMIC
STUDIES
39504 ★ V.1
McGILL
UNIVERSITY

2/=

MOONIS BOOK DEPOT
BUDAUN. U. P. (INDIA).

Rāī, Lajpat

سلسلہ مضامین لالہ لاجپت رائے جی

نمبر ۴

مجموعہ

Majmū'ah-i mazāmīn

مضامین لالہ لاجپت رائے

حصہ اول

شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے جی کے نصیحت خیز مضامین کا مجموعہ

مرتبہ

منشی مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ نے

باہتمام لالہ ہرنام داس صاحب گپتا

سوراج پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

MG3P
'R134m
V1

بہترین سیاسی اور قومی کتابیں

مولانا ابوالکلام آزاد		مولانا محمد علی صاحب		مولانا عبدالماجد صاحب	
نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
خطبۂ صدارت جمعیۃ العلماء ہند		تقاریر محمد علی حصہ اول	۸ر	المکتوب	۸ر
لاہور تقریری	۶ر	″ ″ حصہ دوم	۸ر	درس خلافت	۸ر
″ ″ تحریری	۶ار	خطبہ مولانا محمد علی صاحب	۵ر	الاظہار	۸ر
تازہ مضامین ابوالکلام آزاد	۱۰ار	تقریر مدراس	۳ر	جذبات الصداقت	۳ر
جہاد اور اسلام	۶ر	جذبات جوہر	۲ر	فصل الخطاب	۳ر
صدائے حق	۸ر	بیان کراچی	۴ر	خلافت اور انگلستان	عہ ر
دعوتِ حق	۶ر	خطوط جیل علی برادران	۲ر	از ڈاکٹر محمود صاحب	
حزب اللہ	۱۲ار	متفرق اصحاب			
خطبات سیاسیہ	۹ر	اسیر مالٹا کا پیام	۹ر	خطبہ مولانا آزاد سبحانی	۶ر
مضامین ابوالکلام آزاد حصہ اول	۱۰ار	خانقاہ اشرفیہ کے فتوے کا جواب	۴ر	جذبات حریت	۸ر
″ حصہ دوم	۱۲ار	خطبہ صدارت شیخ الہند جلسہ دہلی	۳ر	بیان مولانا حسین احمد صاحب کراچی	۲ر
″ حصہ سوم	۱۲ار	خطبہ شیخ الہند معہ فتویٰ	۲ر	متفقہ فتویٰ	ار
دعوتِ عمل	۸ر	تقاریر مولانا ظفر علی خاں	۹ر	مہاتما گاندھی اور سر سید	ار
الحریت فی الاسلام	۱۲ار	دنیائے اسلام اور خلافت	۴ر	حلوائی ممبر کا اعلان	ار
اتحاد اسلامی	۳ر	سمرنا کی خونی داستان	۳ر	مقدمہ کراچی	۲ر عہ
ہندوستان پر حملہ	۳ر	مشتاق احمد			
تعلیمی مقصد	ار	ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ			

مضامین لالہ لاجپت رائے

کیا ہم انگریزون کے دشمن ہیں

مین بلا تامل ایشور کو ساکشی سمجھ کر اِس سوال کا جواب نفی میں دے سکتا ہون کہ کسی سے دشمنی کرنا ہماری نیچر میں نہیں ہے۔ ہمارا مذہب ہم کو دشمنی کرنا نہیں سکھاتا علاوہ اِس کے اپنی موجودہ حالت میں ہم کسی سے دشمنی کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ہم خود اِس درجہ مغلوب۔ محکوم۔ کمزور۔ ذلیل اور خوار ہیں کہ ہمارے لئے کسی زبردست قوم کی دشمنی کا دم بھرنا ایک فضول اور بے معنی سی بات ہے۔ کمزور آدمی اپنے دل میں کڑھتا ہوا اپنی آتما کو سیاہ کر سکتا ہے۔ مگر اُس سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں کر سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کمزوری اور محکومیت تمام قومی بیماریوں کی جڑ ہیں۔ کمزور انسان اور کمزور قوم میں سے صفائی۔ راست بازی راست کلامی کے اوصاف اگر بالکل گم نہیں ہو جاتے تو بہت کم تو ضرور ہو جاتے ہیں۔ کمزور انسان مکار چغل خور اور خوشامد پسند ہو جاتا ہے کمزوری کے باعث اُس میں یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے دل کے خیالات کو اپنی اصلی شکل میں ظاہر کر سکے۔ وہ ہمیشہ اپنے خیالات کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس کا ظاہر و باطن ایک نہیں رہ سکتا۔ یوں تو طاقت ور اور زبردست انسان بھی دغاباز مکار اور دروغگو ہوتے ہیں اِن کی مکاری اور دغابازی زیادہ لالچ سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر کمزور کی دغابازی اور مکاری خوف سے رونما ہوتی ہے۔ اِس لئے کسی محکوم قوم کے لئے سوراجیہ حاصل کرنے کی

39504

پہلی اور ضروری منزل یہ ہے کہ وہ اس خوف کو دور کرے اور دلیری اور حوصلہ سے بے خوف ہو کر اپنے دل کے خیالات کو ظاہر کرنے کی عادت ڈالے ابھی تک ماڈریٹ لیڈروں کے زیر اثر انڈین نیشنل کانگرس کی پالیسی خوف اور حکمت عملی کی پالیسی تھی اور اس لئے قدرتاً ہمارا پولیٹیکل نقطہ نگاہ اسامیوں اور کونسلوں کی ممبریوں وغیرہ تک محدود تھا۔ اس وقت تک انگریز باطن میں ہم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور ان کے دل میں ہمارے لئے کبھی عزت پیدا نہیں ہوئی۔ میں اور میرے ہم خیال اُس وقت بھی اس خوفزدہ پالیسی کے برخلاف تھے۔ مگر ہماری آواز کمزور تھی اور ہم خود کمزور تھے ہم گھر میں اور پرائیوٹ گفتگو میں اپنے اصول بتا کر رہ جاتے تھے جس وقت ۱۸۹۵ء کے قریب میری کتاب نیرہی کا پہلا اڈیشن شائع ہوا لوگ میری دلیری پر ششدر تھے اور گورنمنٹ نے بھی کئی دفعہ میری اس کتاب کی بنا پر میرے برخلاف مقدمہ چلانے کا ارادہ کیا۔ پنجاب کے آریہ سماجک لیڈر ابھی خوف زدہ نہ تھے اور انھوں نے علانیہ میری کتاب کی قدردانی کی۔ خیر میں اس پرانے قصہ کو تازہ کرنا نہیں چاہتا۔ میری غرض یہ بتانے کی تھی کہ جب تک ہم خوفزدہ تھے۔ ہمارے اندر دلیری۔ حوصلہ اور راستبازی نہیں آئی۔ اب ہماری پوزیشن بدل گئی ہم نے صاف صاف کہنا شروع کر دیا۔ ہم نے خوف کو بالائے طاق رکھ کر اپنے دلی جذبات ظاہر کرنے شروع کئے اور ہم کھلے طور پر سوراجیہ کا مطالبہ کرنے لگے۔ سب سے پہلے ۱۹۰۶ء میں بنگالی قوم پرستوں نے بسر کردگی ارابندو گھوش سوراجیہ کا مطالبہ کیا اور صحیح صحیح پولیٹیکل اصول بیان کرنے شروع کئے اس وقت ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت کے لیڈر گھبرا اٹھے اور ۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء و ۱۹۰۷ء کی کانگرس میں دونوں پارٹیوں میں مٹ بھیڑ ہوئی اور خوب دل کھول کر ایک دوسرے کے برخلاف تحریریں و تقریریں کی گئیں۔ مگر قوم پرست لیڈروں کے ایک حصہ نے علانیہ کام کرنے کے بجائے خفیہ سوسائٹیاں بنانی شروع کیں اور بم و بندوق سے کام لینے لگے۔ اس وقت کے کانگرسی لیڈروں میں سے بعض

صدق دل سے اس کارروائی کے مخالف تھے اور بعض دل سے تو اس کے حق میں تھے مگر ظاہر میں اُسکی مخالفت کرتے تھے مگر تاہم وہ مخالفت اس درجہ کمینی اور گری ہوئی نہ تھی۔ جیسی اس وقت کی مخالفت ہے۔ گورنمنٹ پندرہ سال تک متواتر اس پارٹی کی بیخ کنی کے درپے رہی۔ مگر اُسکو صرف جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد مہاتما گاندھی سٹیج پر آئے اور اُنھوں نے لوگوں کو مکاری۔ چال بازی۔ خوف اور خفیہ پن کے گڑھے سے نکال کر راستبازی۔ حق گوئی اور علانیہ کام کرنے کے پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا اس عرصہ میں یورپ کے جنگ عظیم سے عوام الناس کے نقطہ نگاہ میں عجیب غریب تبدیلی پیدا ہو چکی تھی۔ لوگوں نے انکی نصیحت کو سنا اور اس پر عمل کرنا شروع کیا۔

صدیوں کے بند خیالات کو کھلی ہوا لگی۔ جو باتیں لوگ کانا پھوسی میں بند کمرون میں ڈرتے ڈرتے کرتے تھے وہ کھلے طور پر تحریروں اور تقریروں میں علانیہ آنے لگین جن لوگوں نے خوف کے کرہ ہوائی میں تعلیم پائی تھی اور خوف جنکی طبیعت میں جگہ پکڑ گیا تھا گویا اِن کی طبیعت کا جزو ہو گیا تھا۔ وہ گھبرا گئے اور چونک اُٹھے مگر نوجوانوں پر اور عام لوگوں پر اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔

اس کے ساتھ ہمارے حاکموں نے اپنی پالیسی کو بدلنا شروع کیا اُنھوں نے قوم پرستوں کو پھاڑنے اور دو ٹکڑے کرنے کا ارادہ کیا۔ بقول اسکے کہ جب سارا جاتا دیکھئے تو آدھا دیجئے بانٹ۔ اُنھوں نے ماڈریٹ لوگوں کو سفید و سبز باغ دکھانے شروع کئے کچھ دنوں تو یہ سبز باغ محض دکھانے کے تھے اِن کے اندر جانے کے قیود ایسی سخت تھیں کہ چند ہی خوش قسمت ایسے تھے جو یہ فائدہ اُٹھا سکے۔ آخر گورنمنٹ نے اپنی فیاضی کا دروازہ ذرا وسیع کر دیا۔ اور قوم پرستوں کی ایک کافی تعداد اس کے اندر گھس پڑی جس بات کے لئے یہ لوگ عمر بھر کوشاں رہے وہ اِن کو حاصل ہو گئی۔ اِن کے لئے سورگ (بہشت) کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ ان تمام ہندوستانیوں کے خلاف ہو گئے جو اس قسم کا سورگ نہیں چاہتے تھے اور جنکی حد نگاہ آزادی پر تھی

ہندوستان کی دو حصوں میں تقسیم

اسوقت ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو رہا ہے ایک فریق ہیں وہ ہندو مسلمان قوم پرست ہیں جو اپنے ملک کے لئے مکمل سوراجیہ چاہتے ہیں۔ اور جو انگریزوں کی گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کے عہدے حاصل کرنے پر شاکر نہیں۔ دوسرے فریق ہیں وہ ماڈریٹ صاحبان ہیں جنہوں نے یہ عہدے قبول کر لئے ہیں اور جن کے دلوں میں سے خوف اور بے اعتباری ابھی تک دور نہیں ہوئی۔ نوکرشاہی نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہندوستانی قوم پرست نفرت عناد اور دشمنی کی تعلیم دے رہے ہیں جس کا نتیجہ فساد بدامنی اور انقلاب ہوگا۔ ماڈریٹ صاحبان نے بھی نوکرشاہی کے ساتھ سر ہلانا شروع کر دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کسی کے بھی دشمن نہیں۔ ہم کو نہ انگریزوں سے عناد ہے اور نہ اپنے ان ہموطنوں سے جو انگریزوں کے ساتھ اور ان کے ہم آواز ہیں۔ مگر چونکہ اب ہم نے خوشامد اور چاپلوسی کی باتیں کرنا چھوڑ دی ہیں اور اپنے اصلی دلی خیالات کو علانیہ صاف صاف الفاظ میں ظاہر کرنا شروع کر دیا ہے اس لئے وہ لوگ جنکو ہمارے یہ خیالات پسند نہیں اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری کامیابی سے انکو نقصان پہنچے گا۔ ہم پر دشمنی پھیلانے کا الزام لگانے لگے۔

انگریزی قوم کے اوصاف حمیدہ

میں انگریزی قوم کا بہت بڑا مداح ہوں۔ میری یہ رائے تجربہ پر مبنی ہے کہ انگریز دنیا بھر کی قوموں میں ممتاز ہیں۔ اور اپنے جذبہ میں بے نظیر ہیں۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ انگریزوں کے بہت سے اوصاف (سارے نہیں) میری قوم میں آجائیں۔ میں صدق دل سے انگریزوں سے دوستی رکھنا چاہتا ہوں۔ اور اگر کوئی قوم دنیا میں ایسی ہے جسکے ساتھ میں اپنی قوم کا اتحاد دل سے چاہتا ہوں تو وہ انگریزی قوم ہے۔ لیکن یہ رائے رکھتے ہوئے

بھی میں موجودہ نوکر شاہی کی حکومت کے سخت برخلاف ہوں - اور میں یہ یقین کرتا ہوں کہ جب تک میرے ہموطنوں میں اس قدر مضبوطی کیریکٹر کی نہ آئے گی کہ وہ کسی سے دوستی رکھتے ہوئے بھی اور اسکے مداح ہوتے ہوئے بھی اپنے قومی حقوق کو بلا خوف و خطر و بلا اندیشہ محفوظ کر سکیں - تب تک ان کو آزادی نصیب نہ ہوگی میں انگریزوں سے مساوات کے اصول پر دوستی رکھنے کے حق میں ہوں جس طرح انگریز دوستی رکھتے ہوئے بھی کبھی اپنے قومی حقوق کو زائل نہیں ہونے دیتے - اسی طرح ہندوستانیوں کو چاہیئے کہ انگریزوں سے دوستی رکھتے ہوئے بھی اپنے اصولوں پر مضبوط رہیں - کرنیل ویجوڈ میرے گہرے دوست ہیں - مین ان کا احسان مانتا ہوں - ان کو اور ان کی زوجہ کو میرے سے محبت ہے - مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ میں اس دوستی کے بوجھ میں دب کر اپنے قومی حقوق کے معاملہ میں ان سے دب جاؤں - ایسے ہی اور کئی معزز انگریزوں سے مجھے شرف دوستی حاصل ہے - پنجاب گورنمنٹ کے ایک مالی عہدہ دار کو بھی مین اپنا دوست سمجھتا ہوں - مگر مجھے یقین ہے کہ نہ تو وہ اس دوستی میں اپنے فرض سے پہلوتہی کریں گے - اور نہ میں کرونگا - میں ان کی دوستی کے لحاظ سے اپنی قوم کی وکالت میں ایک شمہ بھی ادھر ادھر ہونے کے لئے تیار نہیں - اور مجھے یقین ہے کہ جس وقت اُن کو میرے خلاف کچھ کارروائی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی - تو وہ بلا تامل میرے برخلاف کارروائی کریں گے -

میں اُنکو ہندوستانی قوم کا دشمن نہیں سمجھتا - مگر میں اُنکو اپنی قوم کا دوست اور محافظ سمجھتا ہوں - وہ اس ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ چند ہندوستانیوں سے دوستی کر کے اپنے قومی حقوق و مفاد کو پامال ہونے دیں اسی طرح میں جانتا ہوں کہ انگریزوں کی دوستی اُن ہندوستانیوں کے واسطے سخت خطرناک ہے جن کے کیریکٹر میں اس قدر مضبوطی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ ان کی دوستی کے زیر اثر اپنے قومی حقوق کو پامال نہ ہونے دیں اور انکی چاپلوسی میں آئیں -

امپیریل قوموں کا یہ اصول ہو کہ وہ محکوم قوموں پر دو طرح سے اپنا سکہ جماتی ہیں ایک طاقت سے اور دوسرے چاپلوسی سے وہ محکوم قوم میں سے زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنی طرف کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اُنکے واسطے یہی پالیسی صحیح پالیسی ہے مگر محکوم قوم کے لئے صحیح پالیسی یہ ہے کہ وہ نہ تو اُس سے بیحد خوف زدہ ہو اور نہ اُن کی چاپلوسی مین آئے مین اُس دیدہ دلیری کا بھی قائل نہیں جو واقعات کو بالکل نظر انداز کر کے لاف و گزاف کی حد تک پہنچ جاتی ہو میں سنجیدہ تلی ہوئی دلیری کے حق میں ہوں مگر دیدہ دلیری سے بھی زیادہ خطرناک بودا پن اور خوف کی پالیسی ہے اسوقت جو ہندوستانی عدم تعاون کے مخالف ہیں ان کو دو قسموں پر تقسیم کیا جاتا ہے ایک قسم میں وہ ہندوستانی ہیں جن کی طبیعت میں خوف اور اپنے آپ پر اوشواس (بے اعتباری) اس قدر گھر کر گئی ہے کہ وہ یہ باور نہیں کر سکتے کہ ہم کسی معقول عرصہ میں سوراجیہ حاصل کر سکیں اور اس لئے وہ اُن موجودہ فوائد کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے۔ جو اُنکو اس وقت انگریزوں کے ساتھ ملکر کام کرنے سے حاصل ہیں وہ یہ باور نہیں کرتے کہ انگریز اُن کو سوراجیہ دینا چاہتے ہیں یا آسانی سے سوراجیہ دیدین گے مگر وہ یہ بھی باور نہین کر سکتے کہ ہمارے اندر اس قدر طاقت ہے کہ ہم جلد سوراجیہ حاصل کر سکیں اور اس لئے وہ میانہ روی کی پالیسی کے حق میں ہیں میں اُن کی نیت پر حملہ نہیں کرتا۔ مگر میں یہ کہنے سے بھی نہیں رک سکتا کہ اس وقت جو عزتیں یا جو فائدے اون کو انگریزوں سے حاصل ہو رہی ہیں اُن کا اثر بھی اُن کے بھائیوں پر صریحاً ہو رہا ہے۔ مثلاً اس اصول کا قابل کامیاب وکیل یا جج یا پروفیسر یہ نہیں جانتا کہ اس موجودہ کشمکش میں وہ اپنی موجودہ پوزیشن کو معرض خطر میں ڈالے۔ اس لئے قدرتی طور پر اُس کا میلان اس طرف ہو کہ وہ میانہ روی کی کارروائی کے حق میں ہو۔ دوسرے فریق میں وہ لوگ ہیں جو انگریزوں کی چاپلوسی یا دہمکی سے اس قدر متاثر ہو گئے ہیں کہ وہ اپنے لئے انگریزوں کی حمایت کو دہرم سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ جو عزتیں اس وقت اُن کو حاصل ہو گئی ہیں

اُنھوں نے اِن کے دل کو ایسا گرویدہ احسان کر دیا ہے کہ وہ قوم پرستوں کی مخالفت میں انگریزوں سے بھی دو چار قدم آگے ہیں۔ اور اِس وقت اُن کی تحریر نے اپنی انگریزوں کی حمایت میں اور قوم پرستوں کی مخالفت میں اینگلو انڈین اخبارات کو مات کر دیا ہے اِس زمرہ میں الہ آباد کا اخبار لیڈر اور کلکتہ کا اخبار بنگالی شمار کرنے چاہئیں۔ ایک وقت تھا خصوصاً سر جیمس مسٹن کی گورنری میں جب لیڈر ہندوستان کے بہترین اور آزاد ترین قوم پرست اخباروں میں گنا جاتا تھا۔ میں جب تک امریکہ میں رہا اخبار لیڈر کی سفارش کرتا رہا۔ اخبار لیڈر اُس وقت بھی ماڈریٹ تھا۔ مگر اُس کی اعتدال پسندی قوم پرستی کی بنا پر تھی۔ اور اِس کی تحریر میں زور بھی تھا۔ سنجیدگی بھی تھی اور وزن بھی تھا۔ اُس وقت بھی گاہے بگاہے وہ گرم ٹولی پر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کرتا تھا۔ مگر باوجود اِس کے اُس کی قوم پرستی میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اب حالت دگرگوں ہے۔ اِس وقت اخبار لیڈر سول ملٹری گزٹ سے بھی زیادہ انگریزوں کا حامی اور قوم پرستوں کا مخالف ہو رہا ہے۔ یہی حال بنگالی کا ہے۔ ابھی حال میں بنگالی نے ایک آرٹیکل شائع کیا۔ جس میں اُس نے ہندوؤں سے زوردار الفاظ میں اپیل کی ہے کہ صرف انگریز ہی ہندوؤں اور ان کی عورتوں کی عصمت کو پٹھانوں اور مسلمانوں کی دست درازیوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں اِس واسطے ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ رہیں اور اِس کو مدد دیں۔

یہ نتیجہ اِس چاپلوسی کا ہے جو کمزور دلوں پر جادو کا اثر کر جاتی ہے۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ہم پر اُن انگریزوں کا جلدی اثر ہو جائے جو خلیق اور خوش کلام ہیں اور جو ہم کو ذاتی مہربانیوں سے مدد دیتے ہیں۔ ہم اُن انگریزوں سے نالاں ہیں جو مغرور اور بدکلام ہیں اور جو اپنی رعونت کو چھپا نہیں سکتے۔

سر مائیکل اوڈوائر اِس پچھلی جماعت سے تھے اور اِس کے ساتھ پرلے درجہ کے زودرنج بھی تھے۔ سر ہارکوٹ بٹلر گورنر صوبجات متحدہ اول الذکر جماعت سے ہیں اور اِسکا یہ نتیجہ

ہے کہ اس نے مسٹر چنتامنی جیسے لائق اور زبردست قوم پرست کو اور راجہ محمود آباد جیسے زبردست مسلمان کو اس طرح اپنے قابو میں کیا ہے کہ آج یہ دونوں بزرگ سر ہارکورٹ بٹلر کے اوزار بن رہے ہیں۔ اس وقت سرکاری پالیسی یہ ہے کہ ہندوستانیوں پر تشدد ہندوستانیوں کے ہاتھ سے کرایا جاوے۔

۱۹۰۷ء کی کانگریس کے بعد کچھ عرصہ تک اس پالیسی کا دورہ رہا مگر اس وقت تک ماڈریٹ صاحبان گورنمنٹ وقت کے اس قدر برگزیدہ نہ ہوئے تھے۔ جیسے کہ وہ آج ہیں سر فیروزشاہ مہتہ سے جس وقت گورنمنٹ بمبئی نے مہاراجہ تلک کے برخلاف اعانت طلب کی تو اونھوں نے صاف طور پر انکار کر دیا۔ حالانکہ اس وقت ملک میں بدامنی زیادہ تھی۔ بنگال میں دھڑا دھڑ ڈاکے پڑ رہے۔ اور پولیٹیکل قتل بھی ہو رہے تھے مہاراشٹر اور پنجاب میں بھی بدامنی تھی مگر اب حالت دگرگوں ہے۔

جو ہندوستانی عدم تعاون کے مخالف ہیں اور نیک نیتی سے یہ باور کرتے ہیں کہ عدم تعاون کلاً یا جزواً ملک کے لئے نقصاں دہ ہے۔ ان کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے خیالات کو دلیری سے لوگوں پر ظاہر کریں اور لوگوں کا فرض ہی کہ ان کے خیالات کو سنیں لیکن جو ہندوستانی انگریزوں کے ساتھ شامل ہو کر یا ان کے نوکر ہو کر عدم تعاون کی بیخ کنی کے درپے ہیں ان کے لئے ہمارے دل میں کسی قسم کی عزت نہیں ہو سکتی۔ ہم نہ ان کے دشمن ہیں اور نہ انگریزوں کے مگر وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دشمن ہیں اس وقت صوبہ متحدہ میں زور شور سے امن سبھائیں قائم کی جا رہی ہیں اور سرکاری ملازمان کو کھلم کھلا عدم تعاون کی مخالفت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہی کارروائی صوبجات بہار و متوسط میں ہو رہی ہے۔ ادھر مدراس میں بھی یہ کارروائی شروع ہے۔ کیا یہ امر قابل نوٹ نہیں ہے کہ ان صوبہ جات کے گورنر اپنے پولیٹیکل ایمان میں سب کے سب "لبرل" سر ہارکورٹ بٹلر لارڈ ولنگڈن اور سر سلائی یہ سب کے سب لبرل ہیں انکی کونسل کے ممبران اور وزرا بھی سب کے سب لبرل ہیں برخلاف اسکے گورنران

بنگال و بمبئی دونوں کے دونوں کنسر ویٹو ہیں۔ مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بنگال و بمبئی میں اس وقت اس قدر تشدد نہیں ہو رہا جس قدر کہ صوبجات متحدہ و متوسط اور بہار و مدراس میں ہیں۔ ہمارا گذشتہ تجربہ بھی بدقسمتی سے ہم کو یہی بتاتا ہے کہ لبرل مدبر جب طاقت پکڑتے ہیں تو وہ ان تمام اصولوں کو بھول جاتے ہیں جو وہ طاقت پکڑنے سے پہلے تحقیق کیا کرتے تھے ہندوستانی لبرل اس بارہ میں انگریزی لبرل پارٹی کی تقلید کرتے ہیں اور وہ بھی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے لبرل اصولوں میں ایسی کمزوری نہیں ہے کہ وہ ملک کے ذمہ وار ہوتے ہی تشدد نہ کرنے لگیں۔ کیا لبرلزم کے لئے سختی ضروری ہے؟

میری یہ رائے ہے کہ جو لوگ اس وقت انگریزوں کی دوستی کا دم بھر رہے ہیں وہ حقیقت میں دوستی کا فرض ادا نہیں کرتے۔ وہ ان کو ملک کے عوام الناس کے خیالات کو پس انداز کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔ میری رائے میں انگریزوں کی بہتری بھی اسی میں ہے کہ وہ ہندوستانی قوم پرستوں کے مطالبہ سوراج کو جائز اور راست مان کر انکے ساتھ انہیں اصولوں پر سمجھوتہ کریں۔ جن اصولوں پہ انھوں نے اپنی آبادی ہائے نو میں کیا ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ انگریز برطانیہ سوراج کو جائز مانتے ہیں۔ لیکن اب ہندوستانی کرۂ دماغی میں اس قدر تبدیلی پیدا ہو گئی ہے کہ ہندوستانیوں کو لفظی وعدوں سے تسلی نہیں ہوتی ہندوستانی ان وعدوں کا ثبوت عمل میں چاہتے ہیں۔ انگریز یہ کہیں گے ریفارم اسکیم ان وعدوں کا عملی ثبوت ہے۔ یہ امر ایسا ہے جس پر ہم انگریزوں کے ساتھ تنقیح لگا سکتے ہیں۔ ہم ریفارم سکیم کو اس قدر اہمیت نہیں دیتے کہ اسکو سوراجیہ کا زینہ سمجھ لیں۔ ہماری رائے میں ریفارم سکیم نوکر شاہی کی حکومت کو طول دینے اور کسی قدر ہر دلعزیز کرنیکا ایک زبردست ذریعہ ہے ہم نوکر شاہی کی ہر دلعزیزی نہیں چاہتے ہم آزادی چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسا چاہتے ہوئے ہم

انگریزی قوم کے یا انگریزوں کے دشمن ہوں البتہ یہ ضرور ہے کہ قومی حیثیت سے ہمارے اور انگریزوں کے درمیان مستقل دوستی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب یہ دوستی مساوات پر مبنی ہو اور ہم کو اپنے ملک میں وہ ہی پولیٹیکل حیثیت حاصل ہو جائے جو انگریزوں کو اپنے ملک میں حاصل ہے۔ جب تک ہم انگریزوں کے ماتحت ہیں جب تک رعایا ہیں اور وہ ہمارے حاکم ہیں۔ اس وقت تک قومی حیثیت سے ہمارے اور اُن کے درمیان دوستی نہیں ہوسکتی اور اس وقت تک ہماری رائے میں ہماری قوم میں آزادی کے لئے وہ حاکم زیادہ خطرناک ہیں جو لبرل ہونے کا دم بھرتے ہیں اور چاپلوسی اور میٹھی میٹھی باتوں سے ہندوستانیوں کو ایا جال میں پھنسانے میں کامیاب ہوتے ہیں اور ہندوستانیوں کے ایک فریق کو دوسرے فریق سے لڑوا دیتے ہیں۔

ہندوستانیوں کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ انگریزوں سے دشمنی نکرتے ہوئے اور اپنی اصلی حالت کو محسوس کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سچ بولنے میں خوف نہ کھائیں۔ وہ نہ کسی کی چاپلوسی میں آئیں اور نہ کسی کی دھمکی میں آئیں۔ اگر حقیقت میں ہم اس قدر بودہ اور حقیر اور لاچار ہو گئے ہیں کہ بغیر انگریزوں کی حفاظت کے ہم اس ملک میں نہیں رہ سکتے تو میری رائے میں یہ زندگی کسی طرح سے قابل قدر نہیں ہے اور میں کم از کم اس زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔

سوراجیہ

"سوراجیہ" کے لفظی معنی ہیں "اپنا راج" عام معنوں میں یہ لفظ سیلف گورنمنٹ سے مترادف ہے۔ ذمہ وار گورنمنٹ کا خیال بھی قریباً قریباً ویسا ہی ہے۔ قومی گورنمنٹ کا خیال کسی قدر مختلف ہے۔ جمہوری گورنمنٹ کے یہ معنی ہیں۔ کہ قوم کے ہر ایک بالغ مرد و عورت کو اپنی گورنمنٹ کے انتخاب اور اُس کی برطرفی میں ووٹ حاصل ہوں

یعنی رائے دینے کا حق ہو۔ آجکل جمہوری گورنمنٹ کا لفظ اُن گورنمنٹوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جن کو قوم کا ایک خاص حصہ منتخب و برطرف کرتا ہے۔ اس وقت دنیا میں چند ہی ملک ایسے ہیں جہاں مکمل طور پر جمہوری گورنمنٹ ہے۔ اکثر ممالک میں صرف بالغ مردوں کو حق رائے دہی حاصل ہے بعض میں بالغ مردوں و عورتوں کو حق رائے دہی حاصل ہے بعض ایسے ہیں جنہیں بالغ مردوں اور عورتوں کے خاص طبقوں کو یہ حق حاصل ہے سب بالغ مردوں و عورتوں کو نہیں۔ عام اغراض کے لئے کہا جاتا ہے کہ جس گورنمنٹ کا تقرر و علیحدگی کل قوم یا قوم کے کسی حصہ کی طرف سے عمل میں آتی ہے اور جس کے اندرونی انتظام و بیرونی پالیسی پر قوم کے نمایندوں کی منتخب کردہ گورنمنٹ کو پورا اختیار حاصل ہے۔ وہ گورنمنٹ ”سوراجیہ“ کی گورنمنٹ ہے۔ جس گورنمنٹ کا تقرر و برطرفی کسی بیرونی طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ وہ گورنمنٹ ”سوراجیہ“ کی گورنمنٹ نہیں۔

دنیا میں کامل سوراجیہ کن کو حاصل ہے

مثلاً اہل امریکہ کو پورا ”سوراجیہ“ حاصل ہے۔ کیونکہ وہاں پر ہر بالغ مرد و عورت کو اپنے گورنمنٹ کے تقرر و برطرفی میں ووٹ دینے کا استحقاق ہے۔ اہل برطانیہ کو بھی قریباً پورا پورا سوراجیہ حاصل ہے۔ جزائر برطانیہ کی آبادی قریباً ساڑھے چار کروڑ ہے۔ ان میں سے قریباً پونے دو کروڑ کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ آسٹریلیا کو پورا سوراجیہ حاصل ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنی خارجی پالیسی کے لئے سلطنت برطانیہ کا جزو سمجھا جاتا ہے اندرونی انتظام میں اُس کی گورنمنٹ خود مختار ہے۔ یوروپ اور امریکہ میں سوائے آئرلینڈ کے کوئی ملک ایسا نہیں ہے۔ جس پر کسی بیرونی طاقت کی حکومت ہو۔ افریقہ میں شاید کوئی طبقہ ملک ایسا نہیں ہے۔ جس کو ”سوراجیہ“ حاصل ہو۔ کہا جاتا ہے کہ جنوبی افریقہ میں ”سوراجیہ“ ہے۔ لیکن جنوبی افریقہ کی کثیر دیسی آبادی عملاً پولیٹیکل

غلامی کی حالت میں ہیں۔

ایشیا میں جاپان کو "سوراجیہ" حاصل ہے۔ گو رعایا اور گورنمنٹ کے تعلقات کے لحاظ سے ہم اُس "سوراجیہ" کو مکمل "سوراجیہ" نہیں کہہ سکتے۔ چین کو محض برائے نام "سوراجیہ" حاصل ہے۔ انڈوچین یعنی انام وکبودیہ وغیرہ میں اہل فرانس کا قبضہ ہے۔ سیام میں قومی گورنمنٹ ہے۔ جو ایک قسم کا نامکمل "سوراجیہ" ہے۔ برہما اور ہندوستان اور جزیرہ لنکا و دیگر جزائر بحر ہند اہل برطانیہ کے قبضہ میں ہیں۔ جاوا سوماٹرا وغیرہ اہل ہالینڈ کے زیر حکومت ہیں۔ افغانستان میں بھی ایک قسم کا نامکمل "سوراجیہ" ہے۔ کیونکہ رعایا کو قانوناً کوئی پولیٹیکل حقوق حاصل نہیں۔ بلوچستان اہل برطانیہ کے قبضہ و تصرف میں ہے ایران میں برائے نام "سوراجیہ" ہے۔ وسط ایشیا کے مختلف ممالک اس وقت بے علمی کی حالت میں ہیں۔ ایشیائی روس کی حالت غیر یقینی ہے۔ عرب اور ایشیائی ٹرکی کی قسمت ابھی زیر بحث ہے

ہم کیا چاہتے ہیں

انڈین نیشنل کانگرس ۱۸۸۶ء میں قائم ہوئی تھی۔ بیس برس تک کانگرس نے محض انتظام ملک میں اصلاحیں کرانے کی کوشش کی ۱۹۰۶ء میں زیر صدارت دادا بھائی نوروجی کلکتہ کانگرس نے "سوراجیہ" کا حاصل کرنا اپنا مقصد ٹھہرایا۔ یعنی اُسی قسم کا "سوراجیہ" جیسا کہ برطانیہ کی نوآبادیوں کو یا خود برطانیہ کے مختلف حصص کو حاصل ہے۔

گویا ہم اس کوشش میں مصروف ہیں کہ ہمارے ملک اور قوم کے ہر ایک بالغ مرد و عورت کو اپنی گورنمنٹ کی تقرری و برطرفی میں رائے دینے کا استحقاق حاصل ہو جائے۔ ذمہ وار گورنمنٹ کے یہ معنی ہیں کہ گورنمنٹ وقت رعایا کی منتخب کردہ نائب ہو اور رعایا کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اُسکو مقرر یا برطرف کرے۔

ایکٹ اصلاح نے ہمیں کیا دیا ہے

ایکٹ اصلاح نے یہ قرار دیا ہے کہ ہندوستان میں بتدریج ذمہ وار گورنمنٹ کا قائم کرنا سلطنت برطانیہ کا مقصد ہے یعنی ایسی ذمہ وار گورنمنٹ جس کی اندرونی پالیسی پر اختیار اُن نمایندوں کو حاصل ہوگا۔ جو ہندوستانی آبادی کی رائے سے منتخب ہوں گے اور ہندوستان کی خارجی پالیسی کے متعلق یہ نمایندے باتفاق دیگر نمایندگان سلطنت برطانیہ عمل کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ ریفارم ایکٹ کے ذریعہ جو اسکیم ہندوستان کی گورنمنٹ کے لئے وضع کی گئی ہے۔ وہ ذمہ وار گورنمنٹ کے زینہ پر پہلا قدم ہے۔

سوراجیہ حاصل ہونے سے کیا ہوگا

(۱)۔ ہندوستانی نمایندوں کی گورنمنٹ کو ہندوستانی فوج پر پورا اختیار و اقتدار حاصل ہوگا۔ غالباً انگریزی فوج کی ہندوستان میں ضرورت نہ رہے گی۔ اور انگریزی فوج و انگریز افسر ہندوستانی فوج میں رہیں گے۔ تو وہ سوائے خاص حالات کے ہندوستانی گورنمنٹ کے ماتحت ہونگے۔

(۲)۔ ہندوستانی گورنمنٹ کے تمام اعلیٰ عہدوں پر عموماً ہندوستانی مامور ہونگے سوائے اس کے کہ خاص عہدوں پر گورنمنٹ ہند اپنے اختیار سے بعض یورپین ماہرین کو ملازم رکھنا چاہیئے۔

(۳)۔ صرف وایسرائے کے عہدہ پر تقرری و برطرفی بادشاہ سلامت کے ہاتھ میں ہوگی۔

(۴)۔ ہندوستان کی مرکزی حکومت، ہندوستانی پارلیمنٹ کی کثرت رائے کے مطابق منتخب یا برطرف ہوگی۔

(۵)۔ پارلیمنٹ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ آل انڈیا محاصل لگائے۔ وصول کرے و خرچ کرے۔ ہندوستان کا تمام خزانہ اُس کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہندوستان کے تمام محاصل ہندوستان میں رہیں گے۔ اور ہندوستان میں خرچ کئے جاویں گے۔ ہندوستان کی سنٹرل گورنمنٹ بیرونی ساخت کی اشیار پر محصول لگا سکے گی۔ اور ہندوستانی تجارت کی ترقی کے لئے آزادانہ کوشش کر سکے گی۔

یہ پارلیمنٹ جملہ قانون بنائے گی۔ اور اُن قوانین کو نفاذ میں لانے کے لئے انتظامی میشنری قائم کرے گی۔ صوبجات کی گورنمنٹ ہا کے ساتھ اُسکو غالباً اس قسم کا تعلق ہوگا۔ جیسا کہ اس وقت امریکن کانگرس۔ اور امریکن پریزیڈنٹ کو وہاں کے صوبجات کی گورنمنٹوں کے ساتھ ہے۔

ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ سنٹرل گورنمنٹ و صوبجات کی گورنمنٹ کے تعلقات کیا ہونگے۔ ہم نے صوبجات متحدہ امریکہ کی نظیر صرف تمثیلاً دی ہے۔

صوبجات کی گورنمنٹوں کو صوبجات کے حدود کے اندر کامل اختیارات انتظام و عدالت حاصل ہوں گے۔ باستثنار اُن اختیارات کے جو کانسٹی ٹیوشن کے ذریعہ آل انڈیا گورنمنٹ کے لئے محفوظ کئے جاوین۔

نمائشی عطیہ

یہاں تک ہم خوش ہیں کہ قانوناً ہمارا یہ حق تسلیم کر لیا گیا ہے کہ کسی زمانہ آیندہ میں جس کا تعین پارلیمنٹ برطانیہ کرے گی۔ ہم کو ذمہ وار گورنمنٹ مل جاوے گی۔ ہم اس بات سے بھی خوش ہیں کہ جدید قائم شدہ مجلس اقوام (لیگ آف نیشنس) میں ہندوستان کو ایک آزاد قوم کے طور پر شمولیت کا فخر بخشا گیا ہے۔ اور اُسکو دیگر آزاد و نوآبادی ہائے سلطنت برطانیہ کی طرح برابر کا حق رائے دہی دیا گیا ہے۔ مگر فی الحال تو یہ محض ایک نمائشی عطیہ

ہے۔ کیونکہ جب تک ہندوستان کو مکمل "سوراجیہ" حاصل نہ ہو جائے۔ اور جب تک ہندوستان میں پوری ذمہ دار گورنمنٹ قائم نہ ہو۔ ہم اُس حق سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتے جو مجلس اقوام میں شمولیت سے ہم کو حاصل ہوا ہے +

سوراجیہ دنیا کی بہترین نعمتوں میں سے ہے

ہمیں محنت و کوشش وجد وجہد سے اول اپنے آپ کو لائق بنانا ہے۔ اور پھر اُس مقصد کو حاصل کرنا ہے۔

سوراجیہ یا پولیٹیکل آزادی دنیا کی بہترین نعمتوں سے ہے۔ اُس سے محروم رہنا ایک نہایت سخت بدقسمتی ہے۔ جو اقوام کو بہائم کے درجہ تک گرا دیتی ہے۔ اور اُن میں ہر قسم کے عیوب پیدا کر دیتی ہے۔ جو قوم دوسری قوموں کے ماتحت ہے۔ اُس میں سے آہستہ آہستہ غیرت۔ الوالعزمی۔ دلیری۔ شجاعت۔ آزاد خیالی۔ بلند پروازی حوصلہ وہمت۔ بلند خیالی۔ غرض کہ تمام نیک صفات پرواز کر جاتے ہیں۔ اور اُس قوم کے ارکان میں بزدلی بخیلی۔ حسد۔ بغض۔ نفاق چغلخوری۔ خوشامد۔ پست ہمتی۔ بددیانتی وغیرہ تمام عیوب اور غلامی کی عادات پھیل جاتی ہیں۔

سوراجیہ کے لئے کیا ضرورت ہے

سوراجیہ حاصل کرنے کے لئے قوم کے اراکین میں اتفاق باہمی۔ دلیری اور دانشمندی کی ضرورت ہے۔ دلیری سے مراد اس قسم کی دلیری سے ہے جو انسانوں کو اصولوں کی خاطر ہر قسم کی زحمت اوٹھانے کے قابل بناتی ہے اور جو اُنکی سرشت میں حوصلہ اور ہمت کی بلندی وجوکھوں اوٹھانے کی عادت کو پیدا کرتی ہے۔ دانشمندی سے مراد اوس قسم کی معاملہ فہمی۔ نکتہ چینی۔ سنجیدگی۔ خیال وفعل وقول ہے۔ جو جلد بازی بیہودہ گوئی

ناسمجھی - کوتاہ اندیشی - کوتاہ بینی سے تعبیر کیجا سکے -

کیا افغانستان ہم پر حملہ کرے گا

ایسی صورت میں ہمارا کیا فرض ہے

آجکل چاروں طرف اس بات کا چرچا ہو رہا ہے کہ افغان ہندوستان پر حملہ کرنے والے ہیں - وزیریوں کے الٹی میٹم اور مولانا محمد علی کے بعض بیانات کے اس سوال کو اور بھی معنی خیز بنا دیا ہے - مجھ سے میرے ہندو بھائی یہ دریافت کر رہے ہیں کہ اس بارے میں انکا کیا وطیرہ ہونا چاہیئے اسواسطے دو تین آرٹیکلوں کے ذریعہ اس سوال پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا -

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا افغانستان ہندوستان پر حملہ کریگا؟ میری رائے میں یہ نہایت غیر اغلب ہے - اور میرا یہ خیال ہے کہ اینگلو انڈین حضرات نے ہندو مسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا کرنے کی نیت سے اور نیز عوام الناس کی توجہ عدم تعاون سے ہٹانے کے لئے یہ بھوت کھڑا کر دیا ہے افغانستان میں تمام نہیں کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرے -

دوئم حال ہی میں انگریزوں اور بولشویکوں کے درمیان ایک صلحنامہ متعلقہ خطرات تحریر ہو چکا ہے اور اس لئے ہمیں کوئی وجہ یہ باور کرنے کی نہیں کہ بولشویک افغانستان کو ہندوستان پر چڑھائی کرنے میں مدد دیں گے اس سے ظاہر ہے کہ افغانستان بلا امداد کسی یورپین طاقت کے ہندوستان پر حملہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا - اور اگر کبھی اس نے ایسا کیا بھی تو اسے کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی - وزیرستان کے ملّا نے جو اعلان جاری کیا ہے - اس میں بھی مجھے کچھ اہمیت معلوم نہیں ہوتی ان وجوہات سے میری یہ رائے ہے کہ یہ واویلا قبل از وقت ہے اور ہندو اور مسلمانوں کو اس پر دھیان نہیں دینا چاہیئے تاہم میں چند خیالات اس مضمون کے متعلق ظاہر کر دینے میں کچھ ہرج نہیں سمجھتا -

اگر یہ حملہ ہو تو ہندوؤں کا کیا رویہ ہونا چاہیے

مجھکو اس معاملہ میں مہاتما گاندھی سے پورا اتفاق ہے کہ سرحدی علاقہ میں اسوقت جو بے پروائی ہندوؤں کے جان و مال کے متعلق گورنمنٹ کے ذمہ وار افسران کی طرف سے ظاہر کی جا رہی ہے۔ وہ اس قابل نہیں ہے جو ہندوؤں کے دلوں میں گورنمنٹ کی طرف سے کوئی غیر معمولی جوش حقیقت پیدا کرے ڈاکے پڑ رہے ہیں ہندوؤں کے خاندان یکے بعد دیگرے تباہ ہو رہے ہیں۔ اور گورنمنٹ انکی حفاظت کرنے میں قاصر رہی ہے یہانتک کہ یہ ڈاکے اضلاع راولپنڈی۔ جہلم اور شاہ پور تک بھی پہنچ گئے ہیں۔ آیا انگریزی عملداری سے پہلے صوبہ سرحدی اور اضلاع سرحدی کے ہندوؤں کے جان و مال زیادہ غیر محفوظ تھے یا کہ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ گورنمنٹ وقت کو بار بار یہ مشورہ دیا جا چکا ہے کہ اگر وہ کچھ اور مدد ہندوؤں کی نہیں کر سکتی تو کم از کم آزادانہ طور پر انکو آرمز (اسلحہ) رکھنے کی اجازت دیدے۔ مگر گورنمنٹ نے ایسا نہیں کیا اور اب تو عام طور پر یہ بات زبان زد خلائق ہے کہ جب کوئی ہندو مظلوم سرکار کے پاس حفاظت کا خواستگار ہو کر جاتا ہے تو جواب میں طنزاً یہ کہا جاتا ہے کہ تم گاندھی کے پاس جاؤ۔ یا گاندھی کو بلاؤ۔

سوال قدرتی طور پر ہمارے سامنے یہ پیش ہوتا ہے کہ گورنمنٹ ایسا کیوں کرتی ہے؟ جواب میں کہا جائے گا کہ ہندو سوراج مانگتے ہیں اور گورنمنٹ کے خلاف ایجی ٹیشن کرتے ہیں اس لئے گورنمنٹ ان کو یہ دکھلانا چاہتی ہے کہ بدامنی میں انکی کیا حالت ہوگی اور مسلمان ان کو کیسے لوٹ کھائیں گے۔ دوسرے معنوں میں گورنمنٹ ہندوؤں کی حفاظت کرنا اس شرط پر مشروط کرتی ہے کہ وہ آزادی کی تحریک کو چھوڑ دیں ایسی صورت میں صاف طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسا کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟ مجھے اس کا جواب دینے میں ذرا بھی تامل نہیں میں ایسے امن کو جس میں پولیٹکل آزادی نصیب نہ ہو بدامنی سے بدتر

سمجھتا ہوں میری نظروں میں اس جان و مال کی کوئی حقیقت نہیں جو غلام بنکر یا غلام رہ کر حاصل کی جائے - اگر ہندو بالکل مفلس اور نادار ہو جائیں - اور آزادی کے معاوضے میں ان سے انکی تمام دولت اور حشمت مانگی جائے - تو میں بلا شبہ انکو دولت اور حشمت پر لات مارنے کی صلاح دونگا - جو گورنمنٹ اس وقت ہمارے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتی - وہ بھی اپنا یہ حق کھو چکی ہے کہ ہم اسکے لئے اپنا خون بہائیں - لیکن ہماری آنکھوں کے سامنے پنجاب کے حادثات ۱۹۱۹ء ابھی تازہ ہیں - ہم ایسی جلدی ان کو کیسے بھول سکتے ہیں - پنجاب کی نوکر شاہی سالہا سال سے ہندوؤں پر سختیاں کرتی آئی ہے - ایسی صورت میں اگر ہم نان کو اپریشن کا ریزولیوشن نہ بھی پاس کرتے تو بھی ہم پر یہ واجب ہو جاتا کہ ہم اپنے طریقہ عمل سے یہ ظاہر کر دیتے کہ ہمارے دلوں میں گورنمنٹ کے لئے ایسی عقیدت نہیں رہی جس سے وہ ہم سے اپنے جان و مال کی قربانی کی امید کر سکے - یہ تمام باتیں تو ہم نے اسی وقت سے سوچ لی تھیں جبکہ ہم نے نان کو اپریشن کا ریزولیوشن پاس کیا تھا جب تک وہ ریزولیوشن منسوخ نہیں ہوتا ہمارا دھرم ہمکو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم کسی طرح سے بھی ایسی گورنمنٹ کی مدد کریں جسکے برخلاف ہم نے با امن جنگ کا اعلان کیا ہوا ہے - ہماری قوم پرستی اس بات کی مخالف ہے کہ ہم کسی بیرونی حملہ آور طاقت کا ساتھ دیں - ہم کسی بیرونی طاقت کی مدد سے آزادی حاصل کرنے کے حق میں نہیں ہیں - کیونکہ ہمارا یہ وشواس ہے کہ کوئی بیرونی طاقت ایسی ایماندار نہیں جو ہم کو آزادی حاصل کرنے میں مدد دیکر ہم کو آزاد رہنے دے - اگر بولشویک بھی ہمارے ساتھ یہ اقرار کریں تو ہم انکے اقرار کو بھی بہت شبہ کی نظر سے دیکھیں گے میں جوزف میزینی کے اصول کو سچ سمجھتا ہوں کہ جو قوم اپنی آزادی خود حاصل نہیں کر سکتی - وہ آزادی کی مستحق نہیں - جو آزادی دوسرے کی مدد سے حاصل کی جائے گی - وہ دیرپا نہیں ہوگی اور اسواسطے میں ہمیشہ ان بھائیوں سے اختلاف رکھتا رہا ہوں جو جرمنی یا جاپان آدی دیشوں کی مدد لینے کے حق میں تھے - میری یہ رائے ہے کہ خواہ آزادی کے حاصل کرنے میں ہم کو دیر ہو - لیکن

جو آزادی ہم حاصل کریں۔ وہ ایسے طریقوں سے حاصل کی جائے جو ہم کو اس آزادی کے قائم رکھنے کے قابل بنا دیں۔ ہم کو آزادی اپنی اندرونی طاقت سے حاصل ہوگی اور جب تک ہندوستان کی مختلف مذہبی جماعتوں میں مکمل سمجھوتہ نہ ہو جائے ہم کو ایسی آزادی نصیب نہیں ہوگی مگر یہ رائے رکھتا ہوا بھی میں اپنے ہندو بھائیوں کے لئے یہ صلاح نہیں دے سکتا کہ وہ کسی جنگ میں خواہ افغانستان سے ہو یا جرمنی سے۔ وہ سرکار انگریزی کی مدد کریں یہ مدد ہم اس وقت کر سکتے ہیں جبکہ یہ گورنمنٹ ہماری گورنمنٹ ہو جائے۔

ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات

مسلمان اقوام کے ساتھ ہمارے کیا تعلقات ہونے چاہئیں یہ سوال ایسا اہم اور دلچسپ ہے کہ میں آج چند خیالات اس مضمون پر ظاہر کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات پر اس کا بہت اثر ہے اسلام ایسا مذہب ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو ایک رشتہ اخوت میں گانٹھتا ہے اور جب کبھی کسی جگہ کے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے تو ہندوستان کے مسلمانوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے کہ ہندوستان کے مسلمان دو وجوہات کی بنا پر ہندوستان کے پولیٹیکل نظام میں گورنمنٹ وقت سے اپنے لئے خاص پولیٹیکل اہمیت حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے ایک یہ وجہ بیان کی جاتی تھی کہ وہ ہندوستان میں مدت مدید تک حکمران رہے۔ دوسرے یہ کہ اسلامی طاقتیں ممالک غیر میں آزاد تھیں اور اس وجہ سے برطانیہ کلاں کے تعلقات خارجہ میں مسلمانان ہند کے ساتھ بہتر سلوک کرنے سے آسانی رہتی تھی جس وقت ہمارے مسلمان ہم وطن نہایت زور شور سے یہ دعویٰ کر رہے تھے اس وقت بھی ہم نے انکو یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ ان وجوہات پر ایک غیر ہندوستانی گورنمنٹ وقت سے رعایتوں کی استدعا کرنا نہ صرف ایک بڑی بھاری پولیٹیکل غلطی ہے بلکہ انصاف قوم کو ایک غلط راستہ پر ڈالنا ہے۔

میرے مسلمان بھائی مجھ کو معاف کریں گے اگر میں یہ کہہ دوں کہ آج وہ اپنی اس غلطی کا خمیازہ اٹھا رہے ہیں۔ انھوں نے چند رعایتوں کے عوض میں جو گورنمنٹ نے ان کے ساتھ کیں۔ اسلام کی اس پولیٹیکل آزادی کو جو ہندوستان سے باہر اسکو حاصل تھی قربان کر دیا اور نیز اپنی مجلسی اور اخلاقی مضبوطی کو بھی نقصان پہنچایا۔ میرا یہ یقین ہے کہ اگر مسلمان شروع ہی سے زیادہ تعداد میں اور پوری طاقت میں انڈین نیشنل کانگرس کے ساتھ شامل ہوتے تو وہ بیرون از ہندوستان اسلام کی بہتر خدمت کر سکتے اور ہندوستان میں اس وقت جو اخلاقی کمزوری ان میں پائی جاتی ہے وہ نہ آتی۔ ایک غیر ہندوستانی گورنمنٹ پر بھروسہ کرنے اور اسکو اپنی طاقت کا تکیہ بنانے میں مسلمانوں نے جو اصولی غلطی کی وہ ان کو بہت نقصان دہ ثابت ہوئی یہ ضرور ہوا کہ گورنمنٹ ہندوستان کے نظام میں ان کو چند اسامیاں زیادہ مل گئیں اور کونسلوں اور میونسپل کمیٹیوں میں ان کو اپنی کمیونٹی کے لئے جداگانہ نیابت حاصل ہوگئی۔ مگر عام اسلامی جماعت کو اس سے کوئی قابل قدر فائدہ نہیں پہنچا۔ یہ مسئلہ نہایت غلط ہے کہ ایک غیر گورنمنٹ کے نظام میں چند اعلیٰ درجہ کی اسامیوں پر ممتاز ہونے سے کوئی شخص اپنی خاص مذہبی جماعت کو کوئی گراں بہا فائدہ پہنچا سکتا ہے کسی قومی اور مذہبی جماعت کی اندرونی طاقت کا مدار ان کی آپس کی گٹھن اور مساوات پر ہے نہ کہ اس بات پر ہے کہ اسکے کتنے ممبر سرکاری عہدوں پر ممتاز ہیں۔

علاوہ اس کے یہ بھی لازمی ہے کہ جو جماعت ہر روز گورنمنٹ وقت سے رعایتیں مانگتی رہے اور حاصل کرتی رہے وہ اس کی عام پالیسی پر خصوصاً اس کی خارجہ پالیسی پر دلیری سے نکتہ چینی نہیں کر سکتی۔ ہندوستان کے بہترین مسلمان دماغوں نے کبھی اس سچائی کو پورے طور پر محسوس نہیں کیا کہ

بیرون ہندوستان اسلام کی پولیٹیکل آزادی اور طاقت اسوقت تک خطرہ میں ہے جس وقت تک ہندوستان ایک غیر قوم کے ماتحت ہے

امپیریل قومیں ہمیشہ اپنی محکوم قوموں کو اپنی سلطنت کے بڑھانے میں استعمال کرتی ہیں۔ یہی پالیسی برٹش گورنمنٹ کی ہندوستان میں رہی ہے اور جو ہندوستانی خواہ وہ ہندو ہوں یا سکھ یا مسلمان اس گورنمنٹ سے رعایتیں حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ان کے واسطے یہ لازمی امر تھا کہ وہ اس امپیریل قوم کو اپنی ایمپائر کے وسیع کرنے میں مدد دیں اور نادانستہ طور پر دوسری قوموں کو غلام بنانے میں انکے اوزار بنیں۔

ہندو صرف ہندوستان میں آباد ہیں۔ سکھ بھی صرف ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن مسلمان تمام مغربی ایشیا۔ وسطی ایشیا اور شمالی افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ ہندوستان میں برٹش ایمپائر کی مضبوطی کسی حالت میں بھی اسلام کی پولیٹیکل طاقت کے لئے مفید نہیں ہو سکتی تھی۔ انگریزوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہندوستان میں اپنی طاقت کو مضبوط رکھنے کے لئے ان بڑے بڑے بردوں پر قبضہ حاصل کریں جو کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان آتے ہیں۔ یہ تمام ذی مسلمان طاقتوں کے ہاتھ میں تھے اور ان راستوں پر برٹش قوم کا قبضہ مستقل طور پر بلا مداخلت غیرے صرف اس حالت میں ہو سکتا تھا۔ جبکہ اسلام کی آزادی کو ماتحتی میں تبدیل کیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مصر پر انگریزوں کا قبضہ۔ عرب کے جنوبی حصہ پر انگریزوں کی عملداری عراق عرب شام روم ایران اور افغانستان میں انگریزوں کا دخل یہ سب اسی پالیسی کا نتیجہ ہے اور ہر ایک اہل الرائے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان ممالک کی پولیٹیکل آزادی کو حاصل کرنے یا قائم رکھنے میں مسلمانان ہند اپنے ہم مذہب بھائیوں کو صرف اس وقت مدد دے سکتے ہیں جبکہ ہندوستان آزاد ہو اور انکا ہندوؤں کے ساتھ تعلق گہری دوستی کا ہو۔ ہندوستان کو کبھی آزادی نصیب نہ ہوگی جب تک ہندو مسلمان پوری طرح سے ایک دوسرے پر بھروسہ اور اعتبار نکریں گے اور جبتک کہ ہندوؤں کو اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائیگا کہ مسلمانان ہند ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنا نہیں چاہتے۔

ہندوستان کی آزادی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی پولٹیکل تعلقات پورے اعتماد اور بھروسے پر مبنی ہوں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو سمجھوتہ ہو۔ اس کی بنیاد مستقل ہونی چاہیے۔ اگر یہ اتفاق کسی عارضی فائدے کے لئے یا کسی چلتی ہوئی غرض کے لئے قائم کیا گیا۔ تو اس سے بہت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اگر آج ہندوؤں اور مسلمانوں نے اتفاق کرکے بالفرض انگریزی حکومت کو ہندوستان سے دور کر دیا اور پھر اس کی بجائے کسی اسلامی طاقت کو قبضہ مل گیا۔ تو بھی صرف یہی نہیں کہ ہندوستان میں کبھی امن نہ ہوگا بلکہ ہندوستان کی آزادی چھ مہینہ تک بھی قائم نہ رہ سکے گی۔ میری رائے میں مندرجہ ذیل اصول ایسے ضروری اور ایسے بدیہی ہیں کہ ہر ایک ہندو اور مسلمان کو اپنے دل پر لکھ لینے چاہئیں۔

اول یہ کہ ہندوستان میں سے غیر گورنمنٹ خواہ وہ انگریزی ہو یا کوئی اور اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک ہندو مسلمان آپس میں مکمل بھروسہ اور اعتماد پیدا نہ کریں۔

دوم ہندوستان کبھی آزاد نہیں رہ سکتا جب تک کہ یہ باہمی اعتماد مکمل اور مستقل نہ ہو۔

سوم۔ یہ اعتماد کبھی مکمل اور مستقل نہیں ہوگا جب تک کہ ہندو مسلمانوں کو یہ یقین نہ دلا دیں کہ ہندوستان میں آزادی کے معنے ہندو حکومت کے نہیں ہیں اور جب تک مسلمان اپنے طریق عمل سے ہندوؤں کو یہ یقین نہ دلا دیں کہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اس پر کوئی اسلامی طاقت اندرونی یا بیرونی اپنا تسلط جمائے۔

چہارم مسلمانان ہند دیگر ممالک کے مسلمانوں کی آزادی کو قائم رکھنے یا بحال کرانے یا مضبوط کرانے میں کوئی مدد نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ اس فکر سے آزاد

نہ ہوں کہ ہندوستان میں دیگر مذاہب کے برادران ان پر بھروسہ نہیں کرتے۔ گویا افغانستان ایران وسط ایشیا۔ عراق عرب۔ شام۔ روم۔ مصر وغیرہ اسلامی ممالک کی پولیٹیکل آزادی کا مدار اس بات پر ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلمان اور دیگر مذاہب کی مشترکہ جمہوری سلطنت ہو۔ خواہ برٹش ایمپائر کے اندر ہو یا باہر جب تک ہندوستان اپنی آزادی میں مضبوط نہ ہوگا۔ تب تک بیرونی طاقتیں اس پر لالچ کی نظریں ڈالتی ہی رہیں گی اور اس وقت تک نہ صرف ہندوستان آزاد ہی رہ سکے گا۔ بلکہ وسط ایشیا اور مغربی ایشیا کی طاقتیں بھی معرض خطر میں رہیں گی۔ ایشیا کی موجودہ حالت ایسی بنی ہوئی ہے کہ وسط اور مغربی ایشیا کی آزادی کے لئے ہندوستان کا آزاد ہونا ضروریات سے ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم انگریزوں کی حکومت کو کمزور کرکے یا تباہ کرکے ہم کسی اور غیر قوم کو یہاں حکومت کرنے کے لئے بلالیں۔ خواہ وہ بولشویک ہوں یا افغان یا جرمن یا جاپانی ہم نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام وسط ایشیا مغربی ایشیا کو یوروپین طاقتوں کی دست برد سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں انگریزی سلطنت سے ہمارا سمجھوتہ اور صلح صفائی بھی اسی اصول پر ہو سکتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انگریز مدبر بھی اس اصول کو تسلیم کریں گے ہندو مسلمانوں کا باہمی اتفاق بھی اسی بنیاد پر مضبوط ہونا چاہئے۔

میں امید کرتا ہوں کہ میرے ہندو مسلمان بھائی میرے ان مضامین پر اسوقت تک کوئی رائے قائم نہ کریں گے جب تک کہ یہ سلسلہ مضامین ختم نہ ہو جائے میں اس مضمون پر اس خیال سے ایک بسیط بحث کر رہا ہوں تاکہ پورے طور پر یہ مضمون ہماری سمجھ میں آجائے اور روز روز کے شبہات دور ہو جائیں۔

میں نے پچھلے مضمون میں یہ بحث کی تھی کہ دنیا میں اسلامی طاقت کی خیر خواہی کے نکتہ خیال سے ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں مضبوطی واستقلال کیسا ضروری ہے آج میں اپنے ہندو بھائیوں کو مخاطب کرکے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اس امر کو اچھی

طرح سمجھ لیں کہ جب تک مسلمانان ہند کے ساتھ اُن کا مکمل سمجھوتہ نہ ہو جائے وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتے اُن کے واسطے دو راستے ہیں۔ اول مستقل اور دائمی غلامی کا دوسرے مسلمانان ہند کے ساتھ مکمل دوستی۔ اعتماد اور بھروسہ کا اگر وہ مسلمانان ہند کے ساتھ مکمل طور پر دوستی۔ اتحاد اور بھروسہ کا رشتہ قائم نہیں کر سکتے اور اس شک و شبہ و تعصب کو جو ان کے دل میں جاگزین ہو گیا ہے۔ دور نہیں کر سکتے تو ان کے لئے انگریزوں کی حکومت سے آزادی حاصل کرنیکی کوشش عبث ہے۔

کیونکہ یقیناً ہم اس ملک سے انگریزوں کو نکال کر کسی غیر قوم کی حکومت قائم کرنا نہیں چاہتے۔

اسی واسطے ہم نے اپنے لئے یہ اصول بنایا ہے کہ ہم اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے کسی بیرونی طاقت کی مدد نہیں چاہتے۔ ہندو مسلمانوں کے تعلقات اس قدر گہرے وا اس قدر بھروسے کے ہونے چاہیئے کہ ہندو دنیا کی تمام غیر اقوام پر مسلمانان ہند کو ترجیح دینے لگیں اور اسی طرح مسلمانان ہند بھی ہندوؤں کو دنیا کی تمام غیر اقوام پر خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ترجیح دینے لگیں۔ ہماری مانسک اوستھا ایسی ہو جانی چاہیئے کہ ہمارے دل میں کبھی یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ اگر کسی ہندو کو پولیٹیکل طاقت نصیب ہو گئی تو وہ مسلمانوں کے نقصان کے لئے استعمال کرے گا۔ ہندوؤں کے واسطے ناممکن ہے کہ وہ کسی بیرونی طاقت پر خواہ وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی بھروسہ کریں اور اس واسطے یہ خیال کہ کوئی ہندو امیر کابل کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتا ہے یا اُس سے آزادی ہند کے لئے مدد کا خواستگار ہو سکتا ہے بیہودہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ کوئی مسلمان قوم پرست بھی ایسا نہیں چاہتا علی برادران پر جو شبہ امیر کابل کو دعوت دینے کا کیا جاتا ہے وہ بے بنیاد ہے میں اس میں کسی قسم کی اصلیت نہیں سمجھتا یہ امر قدرتی ہے کہ مسلمان قوم پرست اپنی موجودہ مانسک اوستھا میں

اور نیز وجہ عدم تعاون کے رزولیوشن یہ کہنے کا حوصلہ کریں کہ اگر امیر کابل نے جہاد کا اعلان کیا تو وہ امیر کابل کے برخلاف گورنمنٹ ہند کو مدد نہ دیں گے بعض مسلمان قوم پرست یہ بھی کہتے ہیں کہ بحیثیت مسلمان اُن کا فرض ہوگا کہ وہ مسلمان مجاہدین کی امداد کریں میں ایسا کہنے کے لئے اُنکو ملزم نہیں بناتا بلکہ اُنکی دلیری وسچائی کے لئے اُن کی تعریف کرتا ہوں مگر یہ امر کہاں تک عملی پالٹیکس میں داخل ہے میں اس وقت اس پر بحث نہیں کرتا مجھے قوم پرست مسلمانوں کے اس بیان میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ وہ امیر کابل کا تسلط ہندوستان میں نہیں چاہتے۔ اس معاملہ میں ہندوؤں کا فرض صریح ہے جب تک وہ عدم تعاون کے اصول کو مانتے ہیں وہ گورنمنٹ ہند کی کسی طرح مدد نہیں کر سکتے لیکن جس وقت بھی گورنمنٹ سے فیصلہ ہو جانے کی صورت میں عدم تعاون اُنپر لازم نہ رہا۔ اُنکا فرض بدل جائے گا۔ اگر کبھی گورنمنٹ برطانیہ اس قدر کمزور ہو جائے کہ یہ اندیشہ ہو جائے کہ کوئی بیرونی طاقت اسپر اپنا تسلط جما سکتی ہے اُس صورت میں ہندوؤں کے واسطے یہ امر غور طلب ہوگا کہ وہ کیا کریں کیونکہ وہ کسی حالت میں بھی کسی بیرونی قوم یا طاقت کا تسلط ہندوستان میں نہیں چاہتے مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ گو میں کسی غیر قوم کے مقابلہ میں مسلمانان ہند کی پولیٹکل طاقت کو تسلیم کر لوں لیکن کسی غیر قوم کا تسلط خواہ وہ مسلم ہو ہندوستان کی سرزمین کے کسی حصہ میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ تمام بحث ابھی قبل از وقت ہے اور اسکو صرف اسواسطے چھیڑا گیا ہے کہ اس وقت جو اتفاق ہندو مسلمانوں میں گہرا اور مضبوط ہوتا ہوا نظر آتا ہے اُس کو آئندہ کے مفروضات کو بیچ میں لاکر کمزور کر دیا جائے میری رائے میں اس کا یہی جواب ہے کہ ہندو ہر حالت میں ہر طرح سے اُس وقت تک مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں جب تک مسلمان اپنی خلافت کو غیر مسلمانوں کے تصرف سے آزاد نکر سکیں جس وقت یہ خطرہ پیدا ہونے لگا کہ افغانستان کی سلطنت ہندوستان میں

ہو جائے - اس وقت ہمارے واسطے کافی وقت ہوگا یہ سوچنے کے لئے کہ ہم کو کیا کرنا چاہیئے میں اس امر کو ممکنات میں سے باور نہیں کرتا کہ افغانوں یا بولشویکوں کی حکومت ہندوستان میں ہو اور اس لئے میں نہیں چاہتا کہ میرے ہموطن اس فرضی خطرہ کو سامنے رکھکر اپنے موجودہ کام میں ذرا بھی فرق آنے دیں اس واسطے ہمارے سامنے ایک ہی کام ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنی اندرونی طاقت کو مضبوط کریں اور اس کے دو ہی طریقے ہیں ایک ہندو مسلمانوں کا اتحاد اور دوسرا عدم تعاون - ہمارا فرض ہے کہ ہم کسی مفروضہ خطرہ کو اپنے ان دونوں ضروری فرائض میں مخل نہ ہونے دیں - مجھ کو ابھی تک یہ امید ہے کہ ہمکو برطانیہ کلاں سے قطع تعلق کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی اور انگریزی قوم کا تدبر ہم کو اس پر مجبور نہ کریگا کہ ہم انگریزوں سے کلی قطع تعلق کے حامی ہو کر کسی غیر قوم کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کو ترجیح دینے لگیں - مگر بہر حال یہ سوال قطعاً قبل از وقت ہے اور ہندو مسلمانوں کو اس سردردی میں ہرگز ہرگز نہیں پڑنا چاہیئے -

یہ نظارہ بھی قابل عبرت ہے کہ ہندوستان کے ماڈریٹ لیڈر اور ماڈریٹ اخبار اُس وقت تک تو ہندو مسلم اتحاد کے حامی رہے جب تک اسامیوں اور کونسلوں کا سوال باعث تفرقہ تھا - لیکن جب ہندوستان کی آزادی اور سوراجیہ کے سلسلہ میں اُن کے اندر اتفاق ہونے لگا - تو وہ مختلف طریقوں سے اس اتفاق کو توڑنے کے درپے ہو گئے اس بارہ میں الہ آباد کے اخبار لیڈر اور مدراس کے اخبار نیو انڈیا کا طریقہ سخت مایوسی پیدا کرنے والا ہے لیڈر کی مینٹیلیٹی (دماغی حالت) تو ایسی تبدیل ہو گئی ہے کہ اُس کی ٹون اس وقت اینگلو انڈین اخبارات سے بھی زیادہ غیر ہندوستانی ہے - ہندو مسلمانوں کے اتحاد پر مخول اڑانا اور اس اتحاد کو مصنوعی اور فرضی بتانا اُس کا شیوہ ہو گیا ہے ہندو مسلمانوں کو ان نام نہاد دوستوں سے خبردار رہنا چاہیئے -

سرکاری ملازمت کی رعونت

حکومت کا نشہ بھی ایک عجیب نشہ ہے۔ جس سے مخمور ہو کر انسان بہت سی وحشیانہ حرکات کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں ہمکو انیگلو انڈین حضرات کی مجنونانہ و وحشیانہ حرکات کا اچھا خاصہ تجربہ ہے۔ ہر ہندوستانی اخبارات کے کالموں میں اُنکا ہر روز ہی چرچا رہتا ہے۔ گو امر واقعہ اُس سے بہت زیادہ ہے لیکن اُن سے بھی زیادہ افسوسناک اور قابل حقارت اُن ہندوستانیوں کی حرکات ہیں۔ جو سرکاری ملازمت کی وجہ سے اپنے ماتحتوں و برادران وطن کے ساتھ رعونت سے پیش آتے ہیں۔ دنیا کے آزاد ممالک میں سرکاری ملازم صرف اُسوقت رعونت کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتے ہوں۔ اسکے بعد یا اسکے قبل وہ مثل دیگر انسانوں کے رہتے اور ملتے جلتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں سرکاری ملازم ہر وقت ہی حکومت کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے اور باقی تمام خلقت کو اپنی رعایا سمجھتا ہے۔ حکمران قوم کی پالیسی نے بھی اس ملک کے سرکاری ملازمان کو اس قسم کا اونچا درجہ دیدیا ہے۔ جس سے وہ اپنے آپ کو بجائے پبلک کے خادم و غلام سمجھنے کے اپنے آپ کو ہر وقت ہی حاکم سمجھتے ہیں اور اس حکومت کے نشہ میں بہت سی بیجا اور خلاف اخلاق حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔

تھانہ دار، تحصیلدار اور منصف اپنے اپنے علاقوں میں ہر ایک آدمی سے سلام چاہتے ہیں۔ ہر ایک افسر اپنے آپ کو اس امر کا مستحق سمجھتا ہے کہ ہر ایک شخص جو اُس کے پاس سے گذرے۔ اس کو سلام کرے۔ سرکاری ملازم ہونا بھی بذات خود ایک اتنی بڑی خصوصیت ہے کہ اسکی وجہ سے ہر ایک سرکاری ملازم اپنے آپ کو بہترین و برترین انسانوں سے برتر سمجھتا ہے اور امید کرتا ہے کہ باقی تمام دنیا اُس کی ملازمت کے امر واقعہ کے سامنے ادب سے سر جھکائے ہوئے اُسکے آرام و آسائش و ادب کا خیال رکھیں۔ بعض سرکاری ملازم اپنی نیچر سے بُرے نہیں ہوتے۔ وہ ارادۃً اپنے ماتحتوں کا دل دکھانا نہیں چاہتے۔ مگر انکے نزدیک رعب ملازمت یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو اور نیز اپنی رعایا کو ڈانٹ بتاتے رہیں۔ تاکہ لوگ انکے اعلیٰ رتبہ سے واقف رہیں۔

میں نے حال میں ہی ریل کے سفر میں سرکاری ملازمت کے اس اخلاق سے گرانے والے اثر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بمبئی میل کے چلنے میں صرف چار پانچ منٹ باقی تھے کہ محکمہ فنانس (مال) کے ایک ہندوستانی افسر سوار ہونیکے لئے تشریف لائے۔ اُنکے پاس اسباب بہت تھا اور اس اسباب میں سرکاری کاغذات کے بھی دو بکس تھے۔ دو ملازم تھے۔ جو غالباً سرکاری تنخواہ دار تھے وہ انکے ہمراہ تھے جس کمرہ میں میں بیٹھا تھا۔ اس میں ایک گورہ نان کمیشنڈ افسر اور ایک اینگلو انڈین بھی بیٹھے تھے قلیوں نے ہندوستانی افسر کا اسباب جلدی جلدی

دھڑادھڑ بھر دیا - افسر صاحب ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گئے - مگر اِس پر لیبل لگا ہوا دیکھکر وہ لپک کر اوپر کی سیٹ (نشست) پر جا کودے - اتنے میں گاڑی نے حرکت کردی اور قلی نے کہا کہ بابو صاحب تو آرام سے بیٹھ گئے اور ہمکو اُجرت بھی نہ دی - بابو صاحب جنکی تشریف آوری اُس کمرے میں بیٹھے ہوئے مسافروں کے لئے ایک آندھی کے مثل تھی - نہایت غیض وغضب میں آئے اور قلی کو دھڑا دھڑ گالیاں دینے لگے - اسوقت انکی تصویر دیکھنے کے قابل تھی - اوپر کی نشست پر بیٹھے ہوئے دونوں پیروں میں بوٹ ڈالے ہوئے پیروں کو لٹکائے ہوئے وہ اپنے رعب داب کی حمایت میں آتش فشاں تھے - قلی کیساتھ جو اُنھوں نے گفتگو کی وہ قابل شنید تھی اور اُنکی اپنی حالت قابل دید تھی - گاڑی چلدی اور اِس قلی کو اپنی مزدوری کیلئے میانمیر تک جانا پڑا - قلی کی مزدوری دینے میں بھی اُنھوں نے کئی جھوٹ بولے قلی سے ذرا فارغ ہوکر اُنھوں نے اپنے ملازم کو "اُلو کا پٹھا" "گدھا" وغیرہ کہنا شروع کیا - امرتسر کے سٹیشن پر اُنھوں نے کھانا کھایا اور باقی میرے بستر پر ڈالدیا - جب میں نے کہا وجناب پانی آتا ہے تو فرمانے لگے "پانی شدہ ہے - ذرا سا پڑ گیا" اِسکے ساتھ ایک لفظ افسوس کا نہ تھا یہ صاحب ہندو تھے -

بدقسمتی سے اسی کمرہ میں ایک خالصہ جی بھی سوار ہوگئے - جنھوں نے اِس سین کی رونق کو دوبالا کر دیا اِنکے ساتھ ایک بانگیر ملازم تھا - جسکو اُنھوں نے اپنی ٹانگیں دبانے کیلئے تمام راستہ اپنی نشست پر بٹھائے رکھا جب تک گاڑی امرتسر سے نہ چل لی - تب تک اِن دونوں ملازماں سرکاری نے ایک اودھم مچائے رکھا مجھے یہ تمام ماجرا دیکھکر (اپنی زندگی میں میں نے بہت سے ایسے سین دیکھے ہیں) یہ خیال آیا کہ یہ ہے ہماری غلامی کی قیمت جو ہمکو زندگی کے ہر پہلو میں ادا کرنی پڑتی ہے -

میرا یقین ہے کہ یہ دونوں صاحبان نیک دل ہونگے - اور وہ اپنے ملازماں سے فیاضی سے پیش آتے ہوں گے - ان کی خصلت میں بداخلاقی بھی نہ ہوگی - اِنکا منشا کسی کو تکلیف پہنچانے یا کسی کی توہین کرنیکا نہ تھا - مگر سرکاری ملازمت کی رعونت نے اُنکے اندر یہ تبدیلی پیدا کردی تھی کہ اُنکو اپنے تمام رویہ وبرتاؤ میں کوئی امر قابل اعتراض معلوم نہیں ہوتا تھا -

میں نے کئی بار یہ نوٹس کیا ہے کہ سیکنڈ یا فرسٹ کلاس کے مسافراں بھی اِس امر کا لحاظ نہیں کرتے کہ اِنکے شور سے یا اِنکی حرکات سے دوسرے ساتھی مسافروں کو تکلیف ہوتی ہے بعض لوگ تو رات بھر یا بڑی رات تک زور زور سے باتیں کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کو سونے نہیں دیتے ہیں یہ باتیں میں نے یورپ اور امریکہ کے سفر میں اِس درجہ تک

ہماری دیویاں

اَنسیا دیما دویالہ جالندھر کا شاندار کام اور اِس کو مالی امداد کی ضرورت!

زمانہ حال کے اصلاح کنندگان میں مہاتما گاندھی ڈی جو رسوخ ہماری عورتوں پر حاصل کیا ہے

اسکی کوئی دوسری نظیر نہیں - یوں تو آپ کہیں گے کہ مردوں پر بھی اس سے پہلے کسی نے اپنا رعب اس قدر نہیں جمایا تھا جیسا کہ مہاتما جی نے - مگر میرا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی طرف سے تو اب تک سابقہ جملہ اصلاح کنندگان کو مایوسی ہی تھی - ہماری اصلاح کی تحریکوں میں سب سے رکاوٹ ہماری عورتوں کی طرف سے ہوتی تھی - مرد تو کچھ نہ کچھ جنبش میں آہی جاتے تھے۔ میں جب سے امریکہ سے آیا ہوں مجھکو ہندوستانی عورتوں کی بیداری نے نہایت خوشگوار طریقہ پر حیران کر دیا ہے - مگر سب سے زیادہ دل خوش کرنے والے نظارے گذشتہ تین چار ماہ میں دیکھنے میں آئے ہیں - موجودہ تحریک سودیشی کے آغاز میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں ہماری اس تحریک کو کامیاب نہ ہونے دینگی - اول اول جب ہماری لیڈی ممبران کا ڈیپوٹیشن لاہور شہر کی مستورات کے پاس گیا اور شہر کی عورتوں نے نہایت سرد مہری سے ان کا استقبال کیا اور اپنے بدیشی کپڑے دینے سے قطعی انکار کر دیا - مگر آہستہ آہستہ دو ماہ کے عرصہ میں صورت معاملہ بالکل بدل گئی - اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہزاروں عورتیں کھدر پہنکر جلسوں میں آتی ہیں - اور جلسوں میں عورتوں کی حاضری کبھی بھی سینکڑوں سے کم نہیں ہوتی - مہاتما جی کے حال کے دورہ میں جو جلسہ مستورات کا لاہور کے پانی کے تالاب کے نزدیک ہوا - اس میں کم از کم دس ہزار عورتیں حاضر تھیں - اور شاید ۵ فیصدی بھی ان میں ایسی نہ ہونگی جن کے بدن پر کوئی بدیشی کپڑا ہو - شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہاتما جی کے لئے تقریر کرنا ناممکن ہوگا - مگر آخر کار لیڈی والنٹیروں نے انتظام بحال کر دیا - اور مہاتما جی کی تقریر کو عورتوں نے شانتی سے سنا - اب عورتیں سینکڑوں کی تعداد میں نہ صرف ہر ایک پولیٹیکل جلسہ میں شامل ہوتی ہیں بلکہ نہایت لیاقت سے کارروائی میں حصہ لیتی ہیں - وہ گیت گاتی ہیں لیکچر دیتی ہیں - انتظام کے قائم رکھنے میں مدد دیتی ہیں - اور مردوں کو استقلال کا اپدیش کرتی ہیں - صوبہ میں قریباً نصف درجن قابل تقریر کرنے والی دیویاں موجود ہیں - جن میں سے زیادہ کنیا مہا ودیالہ جالندھر کی تعلیم یافتہ ہیں - کماری مجیاوتی - کماری ستیہ وتی - شریمتی پاربتی جی امرت سروالی - مرحوم انند دیوی جی

شریمتی کوشن کماری سنتانم۔ یہ سب کنیامہا ودیالہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ لیڈیاں نہ صرف عورتوں کے جلسوں میں لیکچر بلکہ مردوں کے جلسوں میں بھی اچھی تقریر کرتی ہیں۔ میں ایک رات کو اپنی لڑکی شریمتی پاربتی دیوی بیوہ ڈاکٹر جے چندر کی تقریر سنکر حیران ہو گیا۔ جو اُس نے لاہور کے ایک نہایت عظیم الشان جلسہ میں موچی دروازہ کے باہر کی اس سے پہلے مجھے یہ علم نہ تھا کہ اس لڑکی میں اس قدر دلیری اور حوصلہ ہے۔ اسی طرح سے شریمتی پورن دیوی جی وغیرہ چند دیگر بہنیں جنکے نام مجھے یاد نہیں بڑے حوصلہ سے اور بڑی جرأت سے بڑے بڑے جلسوں میں بھجن وراگ گاتی ہیں۔

اسی سنبندھ میں ابھی میرے پاس کل ہی ایک چٹھی سوامی شردھانند کی آئی ہے جس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ انکے لیپرنٹنڈنٹ ہریشچندر کی دھرم پتی شریمتی سبھدرا دیوی بھی پولیٹیکل تحریک کے سنبندھ میں کام کرنا چاہتی ہیں مگر سب سے زیادہ حوصلہ افزا نظارہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے مردوں بیٹوں اور بھائیوں کے جیل خانے جانے سے نہیں گھبراتیں اور خود بھی انکے ہمراہ یا ان کے پیچھے جیل خانے جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب سے میں نے پولیٹیکل کام شروع کیا تو مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ میری زندگی میں پولیٹیکل تحریک ہماری عورتوں کے اندر اور خصوصاً پنجابی عورتوں کے اندر ایسی ہر دلعزیز ہو جائے گی۔ یہ سب مہاتما گاندھی کی تپسیا کا پھل ہے۔ مگر مہاتما گاندھی کی تپسیا سے دوسرے درجہ پر جس انسٹی ٹیوشن نے اس بارہ میں ہماری مدد کی ہے وہ جالندھر کا کنیا مہا ودیالہ ہے۔ میں نے آج ہی مہا ودیالہ کا معائنہ کیا۔ اسکی تمام عمارات کو اور اس کی تمام جماعتوں کو دیکھا میرے ہمراہ مہا ودیالہ کے بانی اور اس کے روح رواں لالہ دیوراج جی تھے لالہ دیوراج جی نے جن مشکلات میں اس مہا ودیالہ کو اپنی شردھا بھگتی اور محنت سے پرورش کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ اور میں تہ دل سے انکو ان کی زندگی کے اس مہان پوتر کام پر مبارکباد دیتا ہوں۔ لالہ دیوراج کی پوتر زندگی نے مہا ودیالہ کی کئی لڑکیوں پر جادو کا اثر کیا ان کی سنگت و ان کی مثال سے متاثر ہو کر کئی لڑکیوں

نے کنیا مہاودیالہ پر اپنی زندگی کو نچھاور کر دیا جن میں سے کئی تو بیچاری اسی خدمت میں پروانہ کی طرح جلکر راہی ملک بقا ہو گئیں - ہماری بہن کماری مجیاوتی جی جن کی فصاحت و بلاغت کی مثال مردوں میں بھی کم ملتی ہے وہ کئی سال سے آنریری طور پر اس مہاودیالہ کا کام کر رہی ہیں - انھوں نے شادی نہیں کرائی - اور وہ اپنا تمام وقت ودیالہ کو دیتی ہیں نہ صرف پڑھاتی ہیں بلکہ سال میں کئی بار چندہ جمع کرنے کے لئے دور دور مقامات کا سفر کرتی ہیں - چنانچہ کام کی کثرت سے ان کی صحت ایسی خراب ہو گئی ہے کہ مجھے ہر وقت ان کی طرف سے فکر رہتا ہے - لالہ دیوراج نے اس ودیالہ کے متعلق مجھے مندرجہ ذیل واقعات بتائے - ودیالہ کی عمارات قریباً تین چار لاکھ روپیہ کی لاگت کی ہیں - ان میں ایک مہمان خانہ - ایک بیوہ آشرم - ایک سکول و کالج و ایک عالیشان بورڈنگ شامل ہیں علاوہ اسکے لڑکیوں کے لئے ایک خاص پوجا مندر بھی بنا ہوا ہے - اور نیز استادوں کے رہنے کے مکانات و دفتر و شاگرد پیشہ کے مکانات ہیں آشرم کے ساتھ ایک وسیع ٹکڑہ اراضی کا کھیل کود کے لئے - دوسرا باغ کے لئے تیسرا جلوس وغیرہ کے لئے موجود ہے - ودیالہ میں ہندی سنسکرت - انگریزی - تاریخ و جغرافیہ و حساب و ریاضی - گانا بجانا - سینا پرونا و مذہبی تعلیم دیجاتی ہے - استادوں میں چند مرد اور زیادہ دیویاں ہیں دھرم سکشا کے لکھیا او میاپک آریہ سماج کے پرانے بھگت رُیل جی ہیں - علم موسیقی میں علاوہ ہارمونیم کے ستار بھی سکھائی جاتی ہے - ودیالہ کے پاس سامان کافی ہے - عمارت بھی عمدہ ہے خرچ قریباً ۲ ہزار روپیہ ماہوار ہے جسکے لئے ہر وقت دست سوال دراز رہتا ہے - کیونکہ ودیا کے پاس سرمایہ کچھ بھی نہیں - میں کثیر الرقم سرمایہ جمع کرنے کے حق میں نہیں ہوں مگر میری رائے میں اہل پنجاب کا اس قدر فرض ضرور ہے کہ وہ ودیالہ کو کم از کم ۵ سال کا خرچ پیشگی دیکر اس کے جاں نثار پرنسپل کو اور اس کے منیجران کو روز کے فکر سے رہائی بخشیں - پنجاب میں لڑکیوں کی تعلیم پر نہ گورنمنٹ نے ہی کافی توجہ دی اور نہ قوم نے ہی گورنمنٹ کی عدم توجہی

کے تو ہم شکور ہیں۔ ورنہ ہم کو نبی ہوئی عمارت کو ڈھانا پڑتا۔ گورنمنٹ نے جو ملکہ میری کے نام پر کالج تیار کیا ہے وہ امیرزادیوں کے لئے ہے۔ مگر اپنی قوم کی عدم توجہی پر ہمیں افسوس ہے۔ مدت تک میرا یہ خیال رہا کہ پہلے لڑکوں کی تعلیم کے لئے کافی سے زیادہ انتظام کر لینا چاہیئے پھر لڑکیوں کی تعلیم کا فکر کریں گے جہاں لڑکوں کی تعلیم کے متعلق میں کثیر عرصہ تک گمراہی میں رہا۔ وہاں لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق بھی میرا خیال غلط ثابت ہوا میں نہیں چاہتا کہ میری قوم لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق وہ غلطیاں کرے جو لڑکوں کی تعلیم کے متعلق کی گئی ہیں۔ اس لئے میری رائے ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کا ہرگز ہرگز گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے۔ لڑکیوں کو ہندوستان کے یوروپین مدارس و یوروپین کالجوں میں تعلیم دینا بھی سراسر نقصان دہ ہوگا اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ پنجاب میں لڑکیوں کی تعلیم کی طرف قوم کافی توجہ دے۔ لیکن فی الحال سوراجیہ کی لڑائی کے دوران میں ہم نہ تو کافی وقت اور نہ کافی روپیہ اس کام کے لئے نکال سکتے ہیں۔ سوراجیہ کے حاصل ہوتے ہی لڑکیوں کی تعلیم ہمارے قومی تعلیم کے پروگرام کی پہلی مد ہونی چاہیئے لیکن جو مدرسے یا ودیالہ جاری ہیں (جن میں کنیا مہاودیالہ جالندھر خاص ذکر کے قابل ہے) ان کی مدد کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے کنیا مہاودیالہ ایک ہندو انسٹی ٹیوشن ہے۔ مگر اس میں مسلمان لڑکیاں بھی تعلیم پاتی ہیں اور اسکے منتظمان ہندو مسلمان لڑکیوں میں کوئی تمیز نہیں کرتے اس انسٹی ٹیوشن کی مالی امداد کرنا ہمارا فرض۔ میں پنجاب کے زندہ دلوں سے نہایت زور سے و نہایت صدق دل سے کنیا مہاودیالہ جالندھر کے لئے اپیل کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جو لوگ مستورات کی تعلیم میں خاص دلچسپی لیتے ہیں وہ خاصکر اس طرف متوجہ ہونگے۔ عمارات میں اضافہ کرنا چنداں ضروری نہیں۔ جتنا کہ فی الحال کم از کم ہستا کا خرچ اکٹھا کرنے کی ضرورت ہے۔ میرے پاس جو ایک متفرق فنڈ ہے اس میں سے صما (۵۰۰) میں ودیالہ کی بھینٹ کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اور لوگ بھی خصوصاً وہ جو یہ سمجھتے ہیں

کسوتوں کی امداد کے بغیر ہندوستان کا آزاد ہونا ناممکن ہے وہ یا ان کی امداد کریں گے۔

صوبجات متحدہ میں سرکاری اودہم

سر ہارکورٹ بٹلر اور سر مائیکل اوڈوائیر کی پالیسی ایک ہی ہے

میں نے جس روز سے پولیٹکس میں انٹرسٹ لینا شروع کیا ہے میری یہ رائے رہی ہے کہ غیر قوم کا حاکم جس قدر زیادہ انصاف پسند۔ نرم مزاج خلیق اور میٹھے چلنے والا ہو اسی قدر وہ ایک محکوم قوم کے لئے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ ابھی دو ہی سال ہوئے کہ ہم سر ہارکورٹ بٹلر کی تعریفیں سنا کرتے تھے۔ اور یہ بھی ہم کو معلوم ہے کہ سر ہارکورٹ بٹلر سر مائیکل کی پالیسی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ سر مائیکل اوڈوائر ایک بدمزاج اور جابر حاکم تھا۔ لیکن ہم دونوں کی ضروری پولیسی میں کوئی فرق نہیں دیکھتے۔ سر ہارکورٹ بٹلر جس کام کو میٹھی زبان سے کرتا ہے اس بات کو سر اڈوائر کڑوے الفاظ میں اور بھدے طریقہ سے کیا کرتا تھا۔ سر ہارکورٹ بٹلر نے تعلیم یافتہ جماعت کے بعض سرگردہ آدمیوں کو اپنی طرف کرکے اپنی جابرانہ کارروائی پر ایک قسم کا پردہ ڈال لیا ہے ورنہ دونوں گورنروں کی پالیسی کو اگر اصولوں کی بنیاد پر امتحان کیا جائے تو بہت فرق نہیں ہوگا۔

دونوں کی غرض

یہ ہے کہ ہندوستان میں نوکر شاہی اور انگریزی حکومت کے پاؤں مضبوط ہوں۔ سر مائیکل ہر قسم کی آزادانہ بحث اور ہر قسم کے حقوق کو دبا کر اس قسم کے مقصد حاصل کرتے تھے سر ہارکورٹ اس حد تک لوگوں کو آزادی دینے کے حق میں رہے جس حد تک نوکر شاہی کی طاقت میں فرق نہ پڑے۔ اب جبکہ سر ہارکورٹ بٹلر نے یہ محسوس کر لیا کہ عدم تعاون کی غرض نوکر شاہی کی بنیادی طاقت کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ تو

سر ہارکورٹ بٹلر نے اپنے اصلی دانت دکھلائیے

صوبہ جات متحدہ میں اس وقت جو تشدد کی پالیسی کا عمل ہو رہا ہے وہ اپنی نوعیت میں بہت حد تک سر مائیکل ڈائر کی پالیسی سے مختلف نہیں ہے - اس وقت یوپی کی گورنمنٹ نے ان نوجوانوں کے برخلاف جنگ شروع کر رکھا ہے جو تحریک عدم تعاون کے لیڈروں کی زیر ہدایت عدم تعاون کے پروگرام کو پھیلا رہے ہیں - سر مائیکل اوڈوائر کی گورنمنٹ نے دونوں کو پکڑ لیا - لڑکوں کو جیل خانہ بھیجنے کے بجائے ان کے وحشیانہ طریقے سے بید لگائے - اور یونین جیک کو سلام کرنے پر مجبور کیا

سرہارکورٹ اور اُسکے دیسی مشیر کار ایسے بزدل ہیں

بڑے لیڈروں کو تو کچھ کہتے نہیں لیکن جو نوجوان لیڈروں کی لکھی ہوئی چیزوں کی اشاعت کرتے جاتے ہیں انکو پکڑ پکڑ جیل خانہ بھیج رہے ہیں - پرتاپگڈھ کے ضلع میں چھ طالب علموں کو اس جرم میں پکڑ لیا گیا کہ وہ پنڈت موتی لال کے لکھے ہوئے ایک اشتہار کو تقسیم کر رہے تھے ہم نے اس اشتہار کو پڑھا ہے اور ہماری موٹی عقل میں اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جسپر گورنمنٹ کو عدالتی کارروائی کرنی چاہئے تھی بلکہ اس میں کسانوں کو شانت رہنے کی ہدایت کی گئی ہے اس میں یہ بھی ضرور کہا گیا ہے کہ کسانوں کو اپنے مطالبات پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے جس وقت ان طالب علموں سے زیر دفعہ ۱۰۸ ضمانت طلب کی گئی تو انھوں نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا - اس پر صاحب بہادر نے لڑکوں سے یہ کہا کہ اگر وہ اپنا ذاتی مچلکہ دیدیں تو منظور کر لیا جائے گا جب اس سے بھی انکار کیا گیا تو ان سے کہا گیا کہ اگر زبانی وعدہ کر دو کہ تم اس اشتہار کو تقسیم نہیں کروگے تو تمہیں رہا کر دیا جائے گا ان جوانمرد اور باحوصلہ لڑکوں نے جو کالجوں کے عدم تعاونی لڑکے تھے یہ وعدے دینے سے بھی انکار کر دیا جسپر انکو چھ چھ مہینہ کی قید دی گئی - جس وقت یہ قید کا حکم سنایا گیا تو پنڈت جواہر لال نہرو نے اُسی اشتہار کو کمرہ عدالت میں تقسیم کر دیا میں یہ سنکر نہایت خوش ہوا کہ اس مقابلہ میں نہ صرف ان لڑکوں نے

بھی اس صدمہ کو بڑی شانتی سے برداشت کیا۔ اس قسم کے اور مقدمے ضلع سلطانپور میں چلائے جارہے ہیں۔

میں جس روز الہ آباد پہنچا۔ تو ریل سے اترتے ہی مجھے یہ خبر پہنچی کہ یہاں بہت سی فوج اکٹھی کی گئی ہے

کئی جگہ مشین گنوں کی نمائش

بھی کی گئی ہے اس روز یہ خبر گرم تھی کہ مولانا محمد علی اور شوکت علی اور پنڈت موتی لال اور جواہر لال نہرو کی گرفتاریوں کی بھی تیاریاں تھیں۔ جو اس لئے ملتوی کردی گئی ہیں کہ پنڈت موتی لال اپنی لڑکی کی شادی سے فارغ ہو جائیں۔

اس صوبہ میں جو تشدد ہو رہا ہے۔ اور جو بیہودہ کارروائیاں تحریک نان کوآپریشن کو کچلنے کے لئے کی جارہی ہیں۔ وہ سر مائیکل کی عملداری کو یاد دلاتی ہیں۔ انکو سن کر اور دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا ہے گو مجھے شبہ تو پہلے بھی نہیں تھا کہ سر مائیکل اڈوائر نے جو کارروائی بلا مشورہ ہندوستانی مشیروں کے کی۔ اسی قسم کی کارروائی اب سر ہارکورٹ بٹلر

ہندوستانی کونسل اور ہندوستانی وزیروں کی قانونی اور اخلاقی مدد

سے کر رہے ہیں اور ہندوستانی تعلیم یافتوں کی وہ پارٹی جو اپنے آپ کو موڈریٹ کہتی ہے قانونی و اخلاقی طور پر سر ہارکورٹ بٹلر کی پولیسی کی ذمہ وار ہے۔ آنریبل مسٹر چنتامنی جو جیمس مسٹن کے زمانے میں نوکر شاہی کے برخلاف آتش فشانی میں مشاق تھے آج اسی گورنمنٹ اور اسی نوکر شاہی کے حق میں تعریف کے پل باندھ رہے ہیں۔ نوکر شاہی نقطہ خیال میں اس قدر تبدیلی ضرور ہوئی ہے کہ انھوں نے تعلیم یافتہ جماعت کے ایک زبردست گروہ کو اپنی طرف کر لیا ہے۔ اور اب اس پارٹی کی مدد سے وہ عوام پر اور کانگرس کمیٹی پر تشدد کر رہے ہیں۔ ملک اس وقت دو فریقوں میں تقسیم ہو رہا ہے ایک فریق میں گورنمنٹ اور اسکے ہندوستانی ملازم ہیں جنہیں

ہوڈریٹ لیڈر بھی شامل ہیں۔ ایک دوسرے فریق میں کانگریس پارٹی اور ملک کے جمہور عام ہیں۔ یوپی کے نوجوان اس وقت جیسے حوصلہ سے ان تشدد کی پالیسی کا مقابلہ کر رہے ہیں اسکی ہار رہا

میں پنجاب کے نوجوانوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں

یہ ضروری ہے کہ نوجوان ہر ایک ضلع میں کانگریس لیڈرز کے ماتحت کام کریں۔ اور پوری طرح سے انکی ہدایات پر کاربند ہوں۔ جہانتک ہو سکے لیکچر بھی نہ دیں لیکن کام کرتے ہوئے اگر کہیں انکو تکلیف کا سامنا کرنا پڑے تو جوانمردی اور حوصلہ سے اسے برداشت کریں۔ ایسا نہ ہو کہ مارشل لا کے ایام کی طرح سے ان میں گراوٹ پھیل جائے۔

اچھوت جاتیاں اور ہمارا فرض

اچھوت جاتیوں کی تحریک میں دہرم کا انسانیت اور قوم پرستی کا بہترین عنصر شامل ہے جس نقطہ خیال سے تم چاہو اس پر غور کرو یہ ایک ایسی تحریک معلوم ہوگی جس پر بھارت کے ان پتروں اور پتریوں کی بہترین کوششیں اور سخت سے سخت سرگرمیاں صرف ہونی چاہئیں جو کہ زندگی کو ایک مشن اور فرض کو اس کا بہترین قانون خیال کرتے ہیں اور جو اس فرض کی بہترین تکمیل اس امر میں خیال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی سیوا اور ان لوگوں کے اوپر اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ جن کو انسانی مظالم اور تعصبات نے عملی طور پر انسانیت کی حدود سے باہر کر رکھا ہے اور جو بدقسمتی سے اس خیال کا شکار ہیں کہ وہ کسی اس سے بہتر سلوک کے مستحق بھی نہیں ہیں میری رائے میں

ایک انسان پر سب سے بڑا ظلم

یہ ہے کہ وہ انسانی سمجھ بوجھ اور انسانی دل و دماغ رکھتا ہوا اور پھر اسے ایسے حالات میں ڈال دیا

ہوجائے جنکی بدولت وہ یہ یقین کرنے لگے کہ وہ ازل سے ابد تک جہالت - لاعلمی - غلامی اور مصیبت کی زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے - اور اس کے لئے اپنی بہتری اور بہبودی کے لئے کسی خواہش کو اپنے دل میں جگہ دینا ایک گناہ سے کم درجہ نہیں رکھتا - دائمی غلامی سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں - اور بنی نوع انسان کو دائمی غلامی میں جکڑے رکھنے کی کوشش سے بڑھکر اور کوئی پاپ نہیں - لوگوں کو غلام کرنا ہی کافی برا ہے لیکن ایسے حالات پیدا کرنا جن سے یہ غلامی دائمی ہوجائے اور وہ اپنی اس غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزاد نہ ہوسکیں - ایک ناقابل برداشت برائی ہے - جو کہ بے حد شرمناک ہے - اور جس کے خیال سے انسانی روح کو ہیبت ہوتی ہے کسی انسان یا انسانوں کی جماعت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کوئی ایسی کارروائی کرے اور اگر کوئی ایسا ہو تو اور تمام انسانوں کی طرف سے اسکی پوری پوری مذمت ہونی چاہیئے جو کہ ضمیر رکھتے ہیں اور اسے بالکل ہی تباہ کر ڈالا نہیں چاہیئے میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اپنے ساتھی انسانوں پر ظلم ڈھانے جائز انسانی خواہشات کے کچل ڈالنے کی کوششیں کرنے اور لوگوں کو ذلیل رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانے کی خواہش کو دل میں جگہ دینے والوں کی ایسی تمام حرکات کا انکی اپنی زندگیوں پر بھی معکوس اثر ہوتا ہے - اور جیسے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن لازمی اور لابدی طور پر آتے ہیں - ویسے ہی جلد یا دیر سے ان

ظالموں کو بھی ذلیل حالتوں میں گرفتار ہونیسے کوئی بات نہیں بچاسکتی

سوائے اسکے کہ وہ از خود ہی اپنے گناہوں کی زیادتی اور کثرت سے بروقت آگاہ ہوجائیں اور اس خرابی کے جو کہ اُنھوں نے پھیلائی ہے اثرات دور کرنے کے لئے نہایت زور کے ساتھ کوشش کریں اور اس کی ہر ممکن طریق سے حقیقی تلافی کریں کہ قدرت کے قوانین اٹل ہیں اور انکی رو سے ان لوگوں کے گناہوں کے سوائے اس کی اور کچھ سزا ہو ہی نہیں سکتی جنہوں نے مردوں اور عورتوں کو دائمی ذلت اور خواری کی زندگی میں مبتلا رکھا ہے اور جنہوں نے اپنی

ان طاقتوں اور قابلیتوں کا غلط طور پر استعمال کیا ہے جو کہ انہیں اپنی بہتری اور دوسروں کی خدمت کے لئے کمزوروں کو زیر رکھنے اور اپنی وحشیانہ طاقتوں سے یا مذہبی یا مجلسی بکاریوں سے کچل کر جانوروں کے درجہ تک پہنچا دینے کے لئے عطا کی گئی تھیں۔

میں ایک ہندو ہوں اور مسئلہ کرم پر میرا نہایت پختہ اعتقاد ہے میں یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ

ہر انسان اپنا کرم آپ بناتا ہے

اور اس طرح وہ اپنی قسمت کا فیصلہ آپ ہی کرنے والا ہے۔ اس لئے میں اس سوال پر اس طرح غور کرتا ہوں۔ ہندوؤں کے بزرگوں نے یا شاید انھوں نے خود ہی اپنے کسی پہلے جنم میں اپنی دولت اور وقت کے زعم میں ان لوگوں کے ساتھ بدسلوکی کی ہوگی جن کو کہ پرماتما نے انکی حفاظت اور سایہ عاطفت میں رکھا تھا ان لوگون کی ذلت نے ان پر بھی اپنا معکوس اثر کیا۔ اور ان کو اس ماتحتی اور غلامی کی حالت کو پہنچا دیا۔ جو کہ صدیوں سے انکے حصہ میں آرہی ہے مگر اس سے ابتک لوگون کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا جو کہ ان کے ہاتھوں پہلے خراب وخستہ ہو چکے ہیں۔ آخر اس دُہری ذلت وخواری کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہماری نسل میں سے تمام مردانہ خواص زائل ہو گئے ہیں اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں۔ گویا کہ ہماری ترقی کی گاڑی کے پہیئے پھنس گئے ہیں اور کوئی ایسی طاقت اُسے آگے نہیں بڑھنے دیتی جس پر کہ ہمارا کچھ بھی اختیار نہیں۔ اس لئے

ہماری قومیت کے اعلیٰ ترین فوائد کا تقاضہ

یہ ہے کہ ہماری بہترین طاقتیں اس شرارت کا اثر دور کرنے پر صرف کی جائیں۔ جو کہ ہم نے یا ہمارے بزرگون نے انسانی دماغوں کو انسانیت کے درجے سے گرانے اور ایسے قوانین اور رسم ورواج منظور کرنے میں کی ہے۔ جنھوں نے کہ ہمارے ہی ہموطنوں کے ایک بڑے

حصہ کو تاعمر مصیبت اور ذلالت کے ہاتھوں وقف کر دیا ہے ہمارے سر پر ہماری ان ہموطنوں کا ایک بھاری قرضہ ہے جنکو کہ اچھوت جاتیوں سے تعلق رکھنے والا کہا جاتا ہے جب تک کہ ہم انسانیت کا یہ پہلا اصول اختیار نہیں کریں گے کہ جن کو ہم نے نقصان پہنچایا ہے۔ اور جنہیں ہم اپنے درجے اور مجلسی مرتبہ کے بالکل غلط خیال سے اب بھی نقصان پہنچا رہے ہیں انکی پوری پوری اور باعزت تلافی کریں۔ تب کاغذی رزدیوشنوں اور پلیٹ فارموں پر چیخنے اور چلانے سے ہم میں مردانگی ہرگز پیدا نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ ایسے لوگوں میں رہتے ہوئے۔ اور ان سے ہر طرف سے گھرے ہوئے جنہیں اپنی انسانیت کا بالکل بھی احساس نہیں۔ ہم کبھی بھی یہ امید نہیں کر سکتے کہ ہم اس انسان کی نسبت کسی بہتر انسانیت کے درجہ تک ترقی کر سکیں گے۔ جو کہ ایک ایسے کرہ ہوائی میں رہتا ہے۔ جہاں کی ہوا امراض کے جراثیم سے پُر ہے۔ ایک ایسے کرۂ ہوائی میں رہنے والے انسان کو ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے اسے اس لئے ہمیشہ جنگ وجدل کرتے رہنا چاہئے۔ کہ کہیں کسی مرض کے جراثیم میرے جسم کے اندر گھس کر میرا خاتمہ نہ کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ اس موقع پر وہ احتیاطی ذرائع اختیار کر سکتا ہے ہمارا کام ہمارے لئے محض منفی ہو سکتا ہے۔ مثبت نہیں۔ اگر ہم بیماری کی چھوت چھات سے بچ بھی جائیں۔ تب بھی ہم کچھ کر نہیں سکتے کیونکہ ہماری تمام کوششیں تحفظ پر خرچ ہونگی اور ہم ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکیں گے اس لئے ہمیں یہ محسوس کرنا چاہئے کہ ہم اپنی قومی تحریک کے لئے سب سے اچھی اور سب سے اعلیٰ قربانی جو کر سکتے ہیں۔ وہ اس وقت تک بارآور نہیں ہو سکتی جب تک اچھوت جاتیاں اپنی موجودہ حالت میں رہیں گی۔ اس لئے۔

یہ سوال ایک قومی اہمیت کا سوال ہے

جو کہ ہماری ان اصلاحات کی فہرست میں سب سے اول نمبر پر ہونا چاہئے جو کہ ہم میں وہ مجلسی قابلیت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ جن کے بغیر کبھی کوئی قوم کسی دوسری قوم کے مقابلے

میں کھڑی ہی نہیں رہ سکتی۔ لیکن یہ کوئی خیرات یا خیر اندیشی کا سوال نہیں بلکہ قومی تحفظ کا خیال ہے ہم نے ابتک اس سوال پر انسانی اور قومی نقطہ خیال سے غور کیا ہے۔ اس کا ایک پہلو اور بھی ہے جس کو ہندو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اچھوت جاتیاں یا ان کا ایک بہت بڑا حصہ ہندو ہے وہ ہندو دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ ہندو رسم و رواج کو مانتے ہیں اور ہندو قانون کی پیروی کرتے ہیں ان میں سے ایک کثیر تعداد گئو کی پوجا کرتے ہیں اور برہمنوں کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ وہ ہندوؤں کی گود سے باہر جانا بھی نہیں چاہتے تاوقتیکہ ان کے لئے اپنی مذہبی مجلسی اور اقتصادی ترقی ناممکن ہی نہ ہو جائے صرف یہی نہیں بلکہ وہ یہ جانتے ہوئے بھی ہندو دھرم سے چمٹے ہوئے ہیں کہ اس دھرم کو چھوڑ دینے ہی وہ مجلسی اور اقتصادی طور پر اپنی حالت کو بہتر بنا سکتے ہیں کیونکہ ایسی طاقتیں بھی موجود ہیں۔ جو انہیں کھلے دل سے چھاتی سے لگانے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنے کے لئے آمادہ ہوں جس کا کہ انہیں کچھ بھی حال معلوم نہیں +

اس امر کی علامات بھی اب کچھ کم نمایاں نہیں کہ ان اچھوتوں کی ایک کثیر تعداد اب اس افسوسناک حالت سے واقف ہو چکی ہے۔ جو ہندو سوسائٹی میں انکی ہو رہی ہے بعض نے اس پر اظہار ناراضگی بھی شروع کر دیا ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک تعداد کثیر انتقام اور ترکی بہ ترکی جواب دینے کا جذبہ اپنے دل میں لیکر ہندو سوسائٹی کو خیرباد کہہ جائے تو بھی کچھ تعجب نہ ہوگا اس وقت ہندو سوسائٹی بھی ایک انقلاب کی سی حالت میں سے گذر رہی ہے اور اس تمام ناشدنی مادہ کو الگ کر کر کے پھینک رہی ہے جو کہ پریشانی اور تکلیف کے وقت اس کے گرد جمع ہو گیا تھا تعلیم کی ترقی اور موجودہ اثرات کی وجہ سے زندگی کے آدرشوں اندازوں اور طریقوں نیز سوسائٹی کے خیالات میں بڑی تبدیلی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد یہ محسوس کرتی ہے کہ نہایت ترقی یافتہ طریقوں پر چلنے کے لئے بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے مذہب کو یا اس مذہب کی نمایاں صورتوں کو یا ان باتوں کو جو کہ ایک ہندو کی

حیثیت سے ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرچشمہ ہیں ترک کر دیں۔ وہ تمام باتین جو کہ ضروری پسندیدہ ہیں

مغرب سے سیکھنے کے لئے تیار ہیں

لیکن باین ہمہ وہ اپنے قومی کیرکٹر میں کوئی تبدیلی کرنے یا اپنی قومی ہستی کو ترک کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتے۔ بہ الفاظ دیگر وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ قومی ترقی کسی طرح بھی ہندو دھرم کی مخالف نہیں۔ اور اپنی دماغی۔ مجلسی یا اخلاقی حالت میں بہتری پیدا کرنے کے لئے انہیں کسی دوسرے مذہب کی پناہ میں جانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس خواہش کی وجوہات پیش کرنا اس موقع پر میرے لئے ضروری نہیں اور نہ اس جگہ مین یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ ممکن ہی یا نہیں اور ہندو دھرم اور کیرکٹر کی خاص خصوصیات کیا ہیں۔ میرا ذاتی اعتقاد یہ ہے کہ خالص و خدمت پرست

ہندو دھرم کسیطرح بھی کسی دوسرے دھرم سے پیچھے نہیں

اور ہندو تہذیب میں۔ جیسے کہ وہ اپنے علم ادب اور قوانین سی ظاہر ہوتی ہی۔ بشرطیکہ اسے صحیح طور پر سمجھا جائے۔ کوئی بات بھی ایسی نہیں جو کہ افرادی یا قومی ترقی کے کسی اعلیٰ ترین معراج سے بھی کسی طرح پوری مطابقت اور موافقت نہ رہتی ہو۔

ان حالات میں ہندو سوسائٹی کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ وہ تمام شخص جو اپنے آپکو ہندو کہتے ہیں۔ انہیں صرف پوری پوری تعلیم ہی نہ دیجائے۔ بلکہ ہر شخص کے دل میں یہ خیال ہو کہ سوسائٹی میں کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ بھی ایسا نہیں۔ جسکے لئے کہ ذاتی طور پر قابل اور مستحق ہونے کی صورت میں وہ خواہش نہ کر سکتا ہو۔ زمانہ حال کے عالمگیر مقابلے اور عالمگیر تعلیم کے زمانے میں کوئی ایسی سوسائٹی جو کہ اپنے افراد کو صحیح طریق پر اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کرنے کی پوری پوری گنجائش نہ دیتی ہو۔ اپنی ہستی کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

جدید سوسائٹیاں تو اس سے بھی ایک قدم آگے جاتی ہیں وہ صرف اپنے افراد کو اعلیٰ سے

اعلیٰ درجہ تک ترقی کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتیں۔ بلکہ ان کے لئے اس طرح کی ترقی کے موقع تلاش کرتی ہیں۔ جدید مجلسی خیالات کی رو سے۔

اس سوسائٹی کیلئے کوئی اُمید نہیں ہو سکتی

جو اپنی کل طاقت کے ایک چوتھائی حصہ کو دائمی غلامی۔ غلیظ کاموں کے لئے مخصوص غیر صحت بخش زندگی کا شکار اور دماغی فاقہ کشی کی حالت میں رکھتی ہو۔ اور انہیں قوم کے دیگر افراد کیساتھ ملنے جلنے بلکہ انکے پاس پھٹکنے تک میں مانع ہو۔ میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یہ باتیں ہندو دھرم کا ایک ضروری جزو ہیں۔ اگر یہ حالت ہوتی۔ تو مجھے اِن سے علیحدہ ہونے میں کسی طرح سے بھی کچھ لیت و لعل نہ ہوتا۔ اگر یہ باتیں ہندو دھرم سے ناقابل علیحدگی ہوتی۔ تو یہ ناقابل برداشت ہو جاتا۔ ہمیں شرمانے کے لئے یہ بات بہت کافی ہے کہ آج کل کے ہندو دھرم کے ساتھ بھی یہ تخصیص وابستہ ہے۔ خوش قسمتی سے قدامت پسند ہندو لیڈروں میں بھی اس بارے میں کچھ بیداری نظر نہیں آتی۔ کانشی کے قدامت پرست ہندو کی مفلوج اور بے حس حواسیات کے لئے مشہور گیٹ سرکلر ایک اچھی قومی دوا ثابت ہوا ہے ایک روز صبح کے وقت اُٹھ کر کانشی کے فاضل پنڈتوں کو یہ معلوم ہوا کہ چھ کروڑ انسان قدامت پرست ہندوؤں سے الگ ہونے کے خطرے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جنہیں گورنمنٹ اور اسکے مشیر یہ سبق پڑھا رہے ہیں کہ وہ ہندو بھی نہیں۔ کیونکہ ہندو خود انہیں ہندو نہیں سمجھتے اور انہیں چھونے کے بھی روادار نہیں۔ قدرت کی باتیں نرالی ہیں اور اِن کے پوشیدہ راز کمزور انسان نہیں سمجھ سکتے۔

اس گیٹ سرکلر کا اثر بالکل غیر متوقع ہوا

اور اس نے قدامت پرست ہندوؤں کے مردہ جسم میں ایک برقی اثر پیدا کر دیا۔ اور

ان کے دلوں میں بھی اچھوت جاتیوں سے ہمدردی پیدا کردی ۔ کیونکہ ہندو جاتی کے اس تنزل کے روکنے کے لئے یہ اشد ضروری تھا ۔ اس میں شک نہیں کہ ان اچھوتوں کو ہاتھ سے کھونے کے امکان نے ہندو جاتی کے سمجھ دار حصہ کی جڑوں کو ہلا دیا ۔ اور اگر پشتینی اور ایک عرصہ دراز کے تعصبات اور دیرینہ عادات اس کی سدراہ نہ ہوتیں ۔ تو اچھوتوں کا اچھوت پن ایک زمانہ ماضی کا واقعہ ہوتا مگر محکمہ مردم شماری کی چالوں سے اچھوتوں کے ہندو جاتی سے الگ ہو جانے کا خطرہ دور ہوتے ہی یہ اندیشہ ہے کہ کہیں لوگ پھر اس بارے میں لاپروائی اور بے توجہی کی لہر میں نہ جائیں اس لئے۔

ہندو جاتی کے لیڈروں اور خیر اندیشوں کو ہوشیار رہنا چاہیئے

ہندو دھرم اپنی موجودہ ناقابل رشک حالت میں ایک ایسے شخص کی مانند ہے جسے خود اپنے سے ہی محفوظ رہنے کی ضرورت ہے لیکن تمام ایسے انسانوں کی ایسی حالت ہوتی ہے جو راستی کے راستے سے منحرف ہو جاتے ہیں ۔ اور اپنی خود فرض کردہ عظمت کے نشے میں دوسروں کے انگوٹھے کچلتے ہوئے چلتے ہیں ۔ ہندو نقطہ خیال سے بھی یہ معاملہ نہایت اہم ہے ۔ اور ہندو دھرم کے جسم اور روح کو سخت نقصان پہنچائے بغیر یوں ہی نظر انداز یا ملتوی نہیں کیا جاسکتا ۔ اس لئے میں ہر ایک ہندو بھائی سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ نہایت سنجیدگی سے اس سوال پر غور کریں ۔ اس کے ساتھ کھیل کرنیکا اب وقت نہیں رہا عیسائی مشنری اپنی فصل جمع کر رہے ہیں ۔ اور اسکے لئے انہیں کوئی الزام بھی نہیں دیا جا سکتا وہ اپنے خداوند کا پیغام لے کر یہاں آئے ہوئے ہیں ۔ اگر ہندو اپنے بھائیوں کو بھول جائیں گے تو وہ تو کسی طرح نہیں بھول سکتے ۔ جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں ۔

اچھوت جاتیاں ہندو دھرم چھوڑنا نہیں چاہتیں

بشرطیکہ ہندو انکے لئے یہ ممکن کردیں کہ وہ انسانوں کی مانند دنیا میں ترقی کر سکیں۔ لیکن اگر وہ اپنی حماقت سے اس بارے میں لیت و لعل بھی کرتے رہیں گے۔ تو وہ ہمیشہ انکے پیچھے لٹکتے رہنے کے لئے تیار نہیں۔ اس وقت میدان میں ایسے آدمی بھی ہیں جو انسانیت اور اپنے عقیدے کے لئے اور اسکے نام پر انکا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہیں اس لئے اگر وہ اس مہمان نوازی کی پیشکش کو منظور کرنے کے لئے جلدی سے آمادہ ہو جائیں تو اس میں انکا قصور ہی کیا ہے۔ ہندوستان بھر میں مشنریوں نے اچھوت جاتیوں کو عیسائی بنانے کے لئے ایک نہایت وسیع تحریک جاری کر رکھی ہے۔

پنجاب اور صوبہ جات متحدہ میں آریہ سماج اس بارے میں قابل قدر کام کر رہی ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اس کام کی سب سے بڑی خصوصیت اس بات میں ہے کہ ہندو سوسائٹی کو اس امر کی ترغیب دیجائے اور اس بات کے لئے اسے مجبور کیا جائے کہ وہ ان اچھوت جاتیوں کو اپنے اندر جذب کر کے انہیں مجلسی نقطہ خیال سے ایک معقول اور قابل عزت درجے کو پہنچائے اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو وہ طریق جو کہ آریہ سماج اس کے استعمال کا کر رہا ہے۔ ان طریقوں کی نسبت جو کہ ہندوستان کے دیگر حصص کے اندر کام میں لائے جاتے ہیں۔ بہت زیادہ پر اثر اور دور رس ہے۔ آریہ سماجیوں کو ہندو سوسائٹی میں مسلمہ طور پر ایک بہت اچھی پوزیشن حاصل ہے۔ قدامت پسند طبقہ اکثر انہیں برادری سے خارج کرنے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ مگر آخر میں وہ اسے اپنے قابو سے باہر خیال کرتا ہے۔ درحقیقت وہ آریہ سماجیوں کو ہاتھوں سے کھو بھی نہیں سکتا کیونکہ آریہ سماج ان کے لئے صرف ایک طاقت کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ ایک نہایت سرگرم ایجنسی ہے۔ جو کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ان کی حفاظت اور خدمت گذاری کے لئے موجود ملتا ہے۔ یہی سکول کالج اور ودیالہ اور گروکل کھولکر لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام کر رہا ہے۔ یہی انکی مذہبی اور قومی لڑائیاں لڑتا ہے۔ یہی ان کے شاستروں کی حمایت

کرتا ہے۔ قحط اور دیگر مصائب کے ایام مین انکی خدمات کرتا ہے۔ یہی ان کی عورتوں کی نگرانی کرتا اور اِن لوگوں کو واپس لینے کے لئے جو کہ بصورت دیگر ہندو جاتی کے ہاتھوں سے جاتے رہتے۔ اپنا روپیہ وقت اور طاقت خرچ کرتا ہے۔

قدامت پسند اصحاب آریہ سماج سے اسوجہ سے ناراض ہیں کہ انھوں نے بعض ادنے فرقوں اور اچھوت جاتیوں کو ہندوؤں کی اعلیٰ ذاتوں میں شریک کر لیا۔ اس پر وہ بہت بگڑے۔ چیں بہ جبین ہوئے اور منہ میں جھاگ بھر بھر لائے انھوں نے آریہ سماجیوں کو برادری سے خارج کر دینے کی دھمکیاں دین۔ کئی ایک جگہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ لیکن آخر مین انہیں اپنی غلطی معلوم ہو گئی۔ اور اُنھوں نے سمجھ لیا کہ چٹانوں سے سر ٹکرانا فضول ہے۔ ادہر سے مایوس ہو کر انھوں نے اپنا غصہ غریب اچھوتوں پر نکالنا شروع کیا۔ انہیں طرح طرح ستایا۔ مارا اور لوہا گرم کر کے ان کے جسموں کو داغ دیا۔ لیکن اس منزل پر قانون نے ان کا ناطقہ بند کیا اور آخر بیچاروں کو ان اٹل حالات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ آریہ سماجی ان اچھوت جاتیوں کو دوجوں کے تمام حقوق دے کر اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ وہ ان میں سے چند آدمیوں کو منتخب کر کے انہیں گائیتری پڑھا دیتے ہیں اور پویت دھارن کرا دیتے ہیں۔ انہیں ہون یگیہ کرنے کا استحقاق دے دیتے ہیں انکے ساتھ کھانے پینے لگتے ہیں۔ اور بعض حالات میں شادی بیاہ بھی ان کے یہاں کر لیتے ہیں۔ اِن واقعات سے ہندو گھبرا اٹھتے ہیں اور جنگ آزمائی کو آمادہ ہو جاتے ہیں تمام علاقہ میں جہاں کہ پہلے پہل ایسی کارروائی ہوتی ہے۔ ایک سنسنی سی پھیل جاتی ہے۔ لوگ سوچنے اور آپس میں بحث مباحثہ کرنے لگتے ہیں۔ کچھ عرصہ تک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان میں شیطان پھر گیا ہے۔ کبھی کبھی وہ کچھ دست درازی بھی کر گذرتے ہیں جس کا نتیجہ بعض اوقات مقدمے بازی ہوتا ہے۔ مگر آخر میں راستی انصاف اور استقلال کی فتح ہوتی ہے۔ اور تمام حالات حسب معمول ہو جاتے ہیں۔

مہاراجہ جموں وکشمیر کے علاقہ میں ایک تعلقہ میں ان اچھوت جاتیوں میں سے ایک جاتی کے دس ہزار آدمی آریہ سماج میں داخل کئے گئے یہ تین سال کے کام کا نتیجہ تھا اجی ٹیشن سب ختم ہوگئی اور اب حالت حسب معمول ہوگئی ہے ایک ضلع (سیالکوٹ) میں ایک اور ذات کے ۲۹ ہزار آدمیوں کا اسی طرح اددھار کیا گیا۔ اِن لوگوں کو تعلیم کی نگرانی کے لئے سیگھ اُودھار سبھا کے نام سے ایک خاص سبھا قائم کی گئی جس کا ایک مرکزی سکول اور کئی پرائمری سکول ہیں۔ مرکزی سکول کی اپنی ایک شاندار عمارت ہے جس کا بنیادی پتھر ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے رکھا ہے۔ ایک اور ضلع (گورداسپور) میں پنڈت رام بھجدت نے دو سال کے اندر کئی ہزار آدمیوں کا اُدھار کیا۔ دہاں قدامت پسند پارٹی ابھی تک بیچین ہے اور اِن لوگوں کی امداد کے لئے ابھی کوئی باقاعدہ سوسائٹی قائم نہیں ہوئی۔ ایک اور ضلع ہوشیارپور) میں بھی ہزاروں کا اُدھار ہوا ہے۔ اور وہاں انکی تعلیمی اور دیگر ضروریات کی نگرانی کے لئے ایک باقاعدہ سبھا بن گئی ہے لاہور کے ہندو بھنگیوں اور چماروں میں بھی بہت اچھا کام ہو رہا ہے چند سال ہوئے میں نے لاہور میں اچھوت جاتیوں کے ادھار کے لئے ایک مرکزی سکول کھولنے کی غرض سے دریائے راوی کے کنارے ۵ ۲ ہزار روپیہ کی ایک زمین خریدی تھی۔ قحط ۱۹۰۰ء کے امدادی فنڈ کا بچا ہوا روپیہ بھی میں نے اچھوت جاتیوں کے اُدھار کے کام میں خرچ کرکے ان جاتیوں کی بہتری کے لئے صوبہ بھر میں چند پرائمری سکول جگہ بہ جگہ کھول دئے تھے اِن میں سے بعض کو سرکاری امداد بھی مل گئی تھی۔ صوبہ بھر میں شاید کوئی ضلع ایسا ہوگا جہاں اچھوتوں کے اُدھار کے متعلق کچھ کام نہ ہو رہا ہو۔ اگرچہ بہت سی حالتوں میں یہ بھی آریہ سماج کے عام کام کا ایک حصہ ہی رہا ہے۔

چند سال ہوئے پنجاب ہندو سبھا کے ایک اجلاس میں جو کہ شاید آخری اجلاس ہوا ہے۔ قدامت پرست فریق سے تعلق رکھنے والے ایک سنیاسی مہاتما کی تحریک

پر باتفاق رائے یہ ریزولیوشن پاس ہوا تھا کہ اچھوت جاتیوں سے درخواست کی جائے کہ آیندہ ہندو کانفرس کے اجلاسوں میں وہ بھی اپنے قائم مقاموں کو بھیجا کریں اور چند دیگر مقامات کے تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ ذاتوں کے ہندؤں کو اپنے بچوں کو انہیں سکولوں میں بھیجنے سے کوئی بھی اعتراض نہیں۔ جہاں کہ اچھوت جاتیوں کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ اعلیٰ ذاتوں کے بچے۔ اچھوت جاتیوں کے بچوں سے نہایت آزادی کے ساتھ بالکل برابری کے طور پر ملتے جلتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ میں آپ کے دل پر یہ خیال چھوڑنا نہیں چاہتا۔ کہ پنجاب میں ہم نے اس بارے میں کچھ بہت کامیابی حاصل کرلی ہے۔ بلکہ یہاں بھی ہماری اس تحریک کی ابتدا ہی ہے۔

صوبہ جات متحدہ میں جو کہ قدامت پسند ہندؤں کا ایک گڑھ ہے اسکے متعلق کام کرنا بہت ہے مشکل ہے۔ لیکن چند سال ہوئے میں نے وہاں بھی ڈوموں کی ایک معقول تعداد کا جو کہ صوبجات متحدہ میں سب سے زیادہ اچھوت سمجھے جاتے ہیں۔ اُدھار کرکے انہیں آریہ سماج میں داخل کیا تھا۔ میں انکے مکان پر گیا۔ جو پہاڑیوں کے اندرونی حصہ میں واقع ہے۔ وہاں میں نے کئی اعلیٰ ذاتوں کے آریہ سماجیوں کے ہمراہ کھانا کھایا۔ جو انہیں اچھوتوں کا تیار کیا ہوا تھا ہم نے جو پانی پیا۔ وہ بھی انہی کا لایا ہوا تھا جس حصہ ملک میں یہ واقع ہوا تھا۔ وہاں اب تک بھی اس معاملہ پر ایجی ٹیشن پھیلی ہوئی ہے۔ اور جن ڈوموں کا اس طرح سے اُدّھار کیا گیا تھا۔ ان سے قدامت پسند ہندؤں نے تشدد اور سختی کا سلوک کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باہم مقدمہ بازی شروع ہوگئی۔ لیکن ہم نے اپنے کام کو جاری رکھنے کا عزم بالجزم کرلیا ہے اور ایشور نے چاہا تو میں پھر وہاں جاؤں گا۔ اور پھر پرچار کا کام کرنے کے لئے ایک مستقل مرکز قائم کروں گا۔ گذشتہ سال میں بنارس گیا تھا۔ میں نے قدامت پسند ہندؤں کے اس عظیم الشان مرکز میں ایک بھاری جلسہ کے سامنے اسی مضمون پر تقریر کی۔ میں نے پنڈتوں کو چیلنج دیا کہ وہ مجھے اور میرے ساتھ کام کرنے والے دیگر اشخاص کو برادری سے خارج کردیں۔ پھر میں نے مراد آباد اور بریلی میں بھی ایسا ہی کیا۔ ان اضلاع میں آریہ سماجوں نے چماروں کے لئے جنکی تعداد صوبجات متحدہ میں

۱۶لاکھ ہے۔کئی سکول جاری کر رکھے ہیں صوبہ جات متحدہ میں ہندوؤں کی کل تعداد چار کروڑ ہے جس میں اچھوتوں کی تعداد ایک کروڑ کے قریب ہے۔ضرورت ہے کہ صوبہ جات متحدہ میں پرچار کرنے کے لئے ایک سبھا قائم کی جائے اس میں اچھے اچھے ہندوں۔جو درحقیقت ہندو شاستروں پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ہندو زندگی اور ہندو خیالات کی واقعی عزت کرتے ہیں۔اس تحریک کی رہنمائی کے لئے ہم کو بڑی عمر کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔اس کے علاوہ صادق۔سرگرم اور عقیدتمند نوجوانوں کی ضرورت ہے۔جو روشنی کے جھنڈے کو ہر ایک گھر میں خواہ وہ کتنے ہی نیچ لوگوں کا مسکن ہو۔لیجائیں۔اسوقت کشتی بہت بڑی ہے اور مسافروں کی تعداد اتنی ہے کہ ملاحوں کے لئے کشتی چلانا ناممکن ہے۔ہمیں اور ملاحوں کی ضرورت ہے جو چپوؤں کو ہاتھ میں لیں۔اور کشتی کو طوفانی پانیوں سے کھیتے ہوئے جائیں۔ہم کو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو ضبط انتظام میں رہیں جو منکسر المزاجی کی سپرٹ کے ساتھ کام کریں۔اور ایسا کرنا اپنا فرض سمجھیں۔ہم کو دولتمند آدمیوں کی ضرورت ہے جو روپیہ دیں۔میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس کام میں بہترین قابلیت اور بہترین کوشش کا استعمال کیا ہے۔اس لئے میرے لئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔اگر مستقبل بہت روشن اور خوش آیند نہ ہو۔تو بھی میں مایوسی کے سامنے سر نہیں جھکاؤں گا۔مجھے اپنے اوپر پورا پورا اعتماد ہے کہ میرے اہل وطن کی طاقت تازہ ہو جائے گی۔مجھے ایشور پر اعتماد ہے۔اپنے آپ پر اعتماد ہے اور اپنے ساتھ کام کرنے والوں پر اعتماد ہے ان سب باتوں پر اعتماد رکھتا ہوا میں امید کرتا ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی شمالی ہندوستان میں اس تحریک کی کامیابی کا منہ دیکھ سکوں گا۔

گورو نانک دیو خالصہ کالج گوجرانوالہ کے افتتاحی جلسہ پر

لالہ لاجپت رائے جی کی معنے خیز اور پر اثر تقریر

سنت جی۔پیارے بھائیو اور بہنو!۔چار پانچ روز ہوئے جب میں اپنا پروگرام بنا رہا تھا

اس وقت یہ فیصلہ ہوا تھا کہ میرے ساتھ میرے بھائی سردار سردول سنگھ کویشر آئیں گے مگر آج میں یہاں اکیلا آیا ہوں۔ میں اس تقریر کو شروع نہیں کر سکتا بغیر اس بات کے کہے کہ سردار سردول سنگھ کی گرفتاری میں گورنمنٹ نے غلطی کی ہے۔ میں مقدمہ کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ یہ زیر سماعت ہے مگر میں اس بات کی شہادت دینا چاہتا ہوں کہ پچھلے ایام میں میں نے ایسا سچا دلیر اور پر امن آدمی نہیں دیکھا۔ ان میں یہ خوبی تھی اور ہے کہ وہ اپنے مذہب کا سچا عاشق اپنے پنتھ کا سچا خیر خواہ اور ساتھ ہی اپنے دیش کا سچا شیدائی ہے میں نے کبھی معقول پسندی سے ان کو تجاوز کرتے نہیں دیکھا اور نہ کبھی کوئی مشورہ امن پسندی کے برخلاف دیتے دیکھا۔ یہ گرفتاری پنجاب اور خالصہ کے لئے باعث مصیبت ہے۔ اس لئے میں نے یہ ضروری خیال کیا کہ تعلیم کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار سے پہلے اس بارے میں اپنی شہادت دیدوں۔

تعلیم کے مقاصد

تعلیم کا یہ مقصد ہے کہ اسکو حاصل کرکے ایک شخص اپنے ذاتی چال چلن کو اونچا کر سکے اپنی سوسائٹی کا مفید رکن بن سکے اور اپنے دھرم کی خدمت کرنے کے لئے اور کسی کا محتاج نہ ہو جو تعلیم ان باتوں کو پورا نہیں کرتی وہ ناقص ہے میں اسی شہر میں اسی مضمون پر پہلے دو دفعہ اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں۔ اس لئے آج کوئی لمبی تقریر کرنا نہیں چاہتا۔

میرے بہت سے بھائیوں کی شکایت ہے کہ گورنمنٹ کی طریقہ تعلیم میں جو تعلیم دیجاتی ہے وہ آزادی کے برخلاف اور غلامانہ عادتوں کے پیدا کرنے والی ہے۔ مجھے اس بات کی حیرت نہیں۔ مجھے حیرانی اس بات کی ہے کہ کوئی عقلمند ہندوستانی اس سے بہتر امید رکھتا ہو۔ کوئی گورنمنٹ ایسی تعلیم نہیں دیسکتی۔ جو اسکی بنیادوں کو کمزور کرنے والی ہو۔ یہ بات ہر ایک گورنمنٹ کے لئے ضروری ہے۔ خواہ وہ قومی ہو یا غیر قومی۔ اس لئے ہمارا گورنمنٹ وقت سے یہ شکایت کرنا کہ ہمکو آزادی کی تعلیم نہیں دیجاتی بیجا ہے۔

ہم کو صرف یہی شکایت نہیں کہ یہ تعلیم ہم کو آزادی سے بے بہرہ رکھتی ہے اور غلامانہ عادتیں سکھاتی ہے بلکہ ایک اور شکایت یہ ہے کہ وہ ہم سے روزی کے اُن تمام طریقوں کو بند کر دیتی ہے۔ جو قوموں کی ثروت اور فارغ البالی کے موجب ہوتے ہیں۔ مگر یہ شکایت بھی ایک نقطہ نگاہ سے بیجا ہے۔

انگریز قوم ہندوستان میں صرف حکومت کرنے نہیں آئی بلکہ دولت کمانے آئی ہے یہ لوٹ کر دولت اکٹھا نہیں کرتی بلکہ اپنی ساختہ اشیا اور مال و اسباب کے ذریعہ دولت کماتی ہے اس لئے اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسی تعلیم دے جس سے اسکی ساختہ اشیا کی بکری کم ہو جائے

یہ لوگ پہلے سوداگر ہیں پھر حکمران

یہ پہلے سوداگر بنکر آئے اور اسی سے فروغ پایا اور اب تک یہ سوداگر ہی ہیں۔ اس لئے ہمارا ان سے یہ امید کرنا کہ انکی تجارت میں کمی ہو جائے اور ہم اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہو جائیں ہماری نادانی ہے ایسی نادانی کی صورت میں گورنمنٹوں کا یہ دستور ہے کہ اپنی رعایا کے دلوں پر اور عقلوں پر پردہ ڈالدیں۔ ہر ایک گورنمنٹ یہ چاہتی ہے کہ اُسکی رعایا اُسکو اول درجہ کا منصف مزاج راستی پسند اور بہادر سمجھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان گورنمنٹوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی رعایا کے دل پر یہ بات نقش کریں کہ وہ نہ صرف ان کے ساتھ انصاف کرتی ہیں بلکہ ان پر احسان کرتی ہیں۔ گورنمنٹ وقت مسلمانوں اور سکھوں کو بھی یہ کہتی ہے بار بار یہ جتلاتی ہے کہ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ یہ احسان کئے اور سکھوں کے ساتھ یہ رعایتیں کیں۔ مگر ان کو یہ بات بھول جاتی ہے کہ ایک جماعت کے ساتھ خاص رعایت کرنا دوسرے کے ساتھ بے انصافی کا ثبوت ہوتا ہے اگر گورنمنٹ نے مسلمانوں اور سکھوں کے ساتھ رعایت کی ہوگی تو دوسروں کے ساتھ بے انصافی بھی کی ہوگی۔

مغربی تہذیب اور ہندوستان کی دامن بر داری

گورنمنٹ انگریزی نے مغربی تہذیب دی - اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے نہیں بلکہ مہذب بنانے کے لئے - اس تہذیب نے ہماری ضروریات کی نوعیت میں مقدار میں اور تعداد میں اتنی بیشی کر دی کہ ہم کو سوائے گورنمنٹ پر بھروسہ کرنے کے کوئی اور چارہ نہیں رہا - یہ ایک اعلیٰ درجہ کا تدبر ہے - اگر آپ اس زمانہ کی سرکاری رپورٹوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ بعض دیانتدار انگریزوں نے تسلیم کیا ہے کہ اُن کا مقصد ہندوستان میں تہذیب پھیلانا نہیں بلکہ ہندوستان کو اپنا دامن گیر دار بنانا ہے - چنانچہ اس تعلیم نے ایسا ہی کیا -

گورنمنٹ نے ہم کو اعلےٰ عہدے دئے - فوج میں بھی ہماری عزت افزائی ہوئی - مگر انھوں نے ہم کو وہ راز نہیں سکھایا جس سے ان کو دنیا میں اتنا ممتاز درجہ ملا ہے - مگر اب ہمکو وہ گر یا راز معلوم ہو گیا ہے - مگر یہ راز بہت دیر میں نقصان اُٹھانے اور غلطیاں کرنیکے بعد معلوم ہوا ہے

ممتاز ہونیکا راز

وہ راز یہ ہے کہ کوئی قوم دنیا میں ممتاز نہیں ہو سکتی جب تک اس کی صنعتیں اور منڈیاں دوسروں کے ہاتھ میں ہیں - نوکریوں سے ملک کی دولت نہیں بڑھ سکتی اور نہ اس کی خوشحالی میں اضافہ ہو سکتا ہے سرکار باہر سے روپیہ لاکر نوکروں میں تقسیم نہیں کرتی - نوکریوں سے واحد اشخاص کو فائدہ ہو سکتا ہے - جس شخص کی قابلیت چار سو روپیہ کی ہے گورنمنٹ اس کو دس ہزار روپیہ ماہانہ دے سکتی ہے - مگر اس سے قومی فائدہ حاصل نہیں ہوتا قومی فائدہ اُس وقت ہوتا ہے جب یہ چار سو روپیہ کمانے والا شخص دیگر ممالک میں جا کر ایک ہزار روپیہ کمانے کی قابلیت کا ثبوت دے ہم یہ سمجھتے رہے ہیں کہ ایک ہزار روپیہ کی نوکری حاصل کر لینا ترقی کر لینا ہے - اس بات نے ہمکو نوکری کا گرویدہ بنایا اور اس تعلیم نے غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کر دیا - انگریزوں نے ایسا کرنے میں اپنے قومی دھرم کو پالا - لیکن اس کا نتیجہ نالاں ہونا ہماری غلطی تھی -

انگریزوں کی حب الوطنی اور نوکری سے نفرت

انگلستان کے لائق ترین آدمی ہندوستان کا گورنر بننا بھی پسند نہیں کرتے وہ اس کو زیادہ قابل عزت سمجھتے ہیں کہ اپنے ملک کی پالیسی کو ہاتھ میں رکھ کر ملک کی دولت میں اضافہ کرنے کے موجب ہوں۔ بجائے اسکے کہ ہندوستان کے گورنر بنیں۔ یہاں وہ آدمی بھیجے جاتے ہیں جو اپنے ملک میں کوئی کار عظیم نہیں کر سکتے۔

میں نے کہا کہ ہم کو اپنا غلط راستہ معلوم ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے شک ہے کہ یہ کس درجہ تک ہم کو معلوم ہوا ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جو اس راستہ کے غلط ہونے کے قائل ہیں وہ اپنے لڑکوں کو گورنمنٹ سکولوں اور کالجوں میں بھیج رہے ہیں۔ وہ اس راستے کو دوسروں کے لڑکوں کے لئے مذموم خیال کرتے ہیں اپنے لڑکوں کے لئے نہیں جب تک ہمارا علم اور عمل یکساں نہ ہوگا ہمارا ترقی کرنا مشکل ہے۔

خالصہ تاریخ پر ایک نظر

یہ جلسہ خالصہ صاحبان کا ہے۔ میں خالصہ تاریخ پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔ خالصہ لفظ کا کیوں استعمال کیا گیا۔ اس واسطے کہ جو خالصہ کہلائینگے وہ جو کچھ کہیں گے وہی کریں گے۔ ایک وقت تھا کہ آدمی اپنے دھرم اور اپنی آتما کے درد وہ کام کرتے تھے۔ ادہر مسلمان ظلم پر تلے ہوئے تھے۔ اس لئے خالصہ پنتھ کی بنیاد ڈالی گئی۔ تاکہ آدمی حقیقت میں خالصہ کہلانے کے مستحق ہو جائیں۔ میں اپنے خالصہ بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ ان میں کتنے سچے معنوں میں خالصہ ہیں۔ میں کسی کو ناراض کرنے کے خیال سے کچھ نہیں کہتا۔ مگر حقیقت میں ہم خالصہ نہیں۔ اس لئے خالصہ کو دوسروں پر ترجیح نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پنتھ کے لوگ اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ واقعہ بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ خالصہ میں بہت

خرابی آگئی ہے - اور اسکو اونچا کرنے کی ضرورت ہے - یہ کالج اس مقصد کو پورا کریگا - میرے بھائی سنتانم نے آپکو مبارکباد دی ہے میں اس میں شامل ہوتا ہوں - مگر جب تک یہ کالج پایہ تکمیل تک نہ پہنچ جائے آپ مبارکباد کے مستحق نہیں - صرف ریزولیوشن سے کام نہیں چلے گا - اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی کمیٹی نے یہ قدم سوچ سمجھکر آگے رکھا ہے تو سب کو مدد کرنی چاہیے کہ یہ قدم پیچھے نہ پڑے بلکہ آگے ہی آگے اوٹھتا چلا جائے مجھے یقین ہے کہ ہندو مسلمان یکجا ہو کر مدد کریں گے - کیونکہ اگر ہم میں سے کسی کا آگے رکھا ہوا قدم پیچھے پڑے گا - تو اس کا اثر سب پر پڑے گا -

سوائے واہگورو کے کسی سے نہ ڈرو

آپ نے خالصہ جی کو مخاطب کرکے کہا سوائے واہگورو کے ڈر کے اور سب کا ڈر دل سے نکال دو - سب سے ابھے ہو جاؤ - جو واہگورو سے نہیں ڈرتا اور کوٹھیوں پر جاکر سوالی ہوتا ہے وہ خالصہ نہیں - ڈرنا اور خالصہ کہلانا متضاد ہے - جہاں ڈرنا ٹھیک نہیں وہاں ڈرانا بھی ٹھیک نہیں - خالصہ کا جنم خوف زدوں کو بے خوف کرنے کے لئے ہوا ہے نہ کہ کسی کو خوف زدہ کرنے کے لئے - خالصہ کا جنم اِس واسطے ہوا ہے کہ دنیا کو خوف سے لالچ سے اور خود غرضی سے صاف کردے - یہی اپدیش گورونانک دیو کا تھا سگر آج انکے بیر دغیرہ کی وردیاں پہنتے - اور پندرہ روپیہ لیکر اور دن کو ڈراتے ہیں - پہلے لوگ خالصہ سے ڈرتے تھے ان کی دنیوی طاقت سے نہیں بلکہ انکی تپسیا سے پاپی کے دل میں خوف پیدا کرنا کچھ اور بات ہے - مگر دوسروں کی وردی پہنکر بھلے آدمیوں کو خوف زدہ کرنا کچھ اور بات ہے خالصہ اِس وقت یہ چرن کرے کہ اسکے بچے آزادانہ روزی کماتے ہوئے کسی کے لئے باعث خوف زدگی نہ ہوں گے اور نہ خود خوف زدہ ہونگے - خالصہ جی آپ کا یہ آدرش نہیں ہونا چاہیئے کہ تعلیم پاکر اعلےٰ اسامیوں پر مقرر ہو جاؤ - میرا یہ مطلب نہیں کہ میں ان اسامیوں

کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے محفوظ کرنا چاہتا ہوں میں سب کے لئے ایک ہی راستہ پیش کر سکتا ہوں۔ خالصہ کی بزرگی اس میں ہے کہ خالصہ کسی کا نوکر نہ ہو۔ خالصہ اور نوکری دو متضاد باتیں ہیں گورو گوبند سنگھ نے چڑیوں کو باز اس واسطے نہیں بنایا تھا کہ دوسروں کے نوکر بن جائیں۔ بلکہ اس واسطے کہ دوسروں کے واسطے حفاظت کا موجب ہوں۔

اس واسطے جو قدم اس کالج کے واسطے آگے بڑھایا گیا ہے۔ وہ ایک مبارک قدم ہے اس سے یہ مقصود ہے کہ تم آزادی سے روٹی کماؤ اور آزاد ہو جاؤ اس میں ہر قسم کی تعلیم دی جائے گی۔ یہاں نہ صرف عقل کو ہی منور کیا جائے گا بلکہ ایسے ہنر بھی سکھائے جائیں گے جن سے ملک کی دولت بڑھے۔ میرا دل خوشی سے اچھلنے لگتا ہے۔ جب میں کسی شخص کو آزادی کی روٹی کماتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ میں نے ٹاٹا ورکس میں بہت سے خالصہ ستریوں کو دیکھا۔ اور مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن جہاں مجھے اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ اتنے خالصہ اپنے زور بازو سے ایمانداری کی روٹی کماتے ہیں۔ وہاں میرا دل اس بات کے خیال کرنے سے ڈوب بھی جاتا ہے کہ خفیہ پولیس میں بھی خالصہ بھائیوں کی اتنی تعداد ہے اگر آپ اپنے بچوں کو اس کالج میں تعلیم دیں گے تو انکو اس ندامت سے بچا سکیں گے۔

میں گوروصاحبانکو سب سے زیادہ قابل قدر سمجھتا ہوں

جو قدم گورونانک خالصہ کالج کمیٹی نے اٹھایا ہے۔ اس میں تن من دھن سے مدد کرو ہم میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا کہ خالصہ بھائی پیچھے رہیں۔ وہ ہم سب کی طاقت کا منبع ہیں اس لئے ہماری خواہش ہے کہ وہ علم بردار ہو کر آگے چلیں۔ اگر کسی کو میری بابت کبھی کسی قسم کا شبہ پیدا ہوا ہو۔ تو میں ایشور کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ یہ شبہات بالکل غلط ہیں میں گوروؤں کو سب سے زیادہ قابل قدر سمجھتا ہوں۔ اور ان کا دل سے حد درجہ کا مداح ہوں۔ بہادر وہ شخص ہے جو سچائی کے لئے تکلیف اوٹھائے۔ اور جس قدر تکالیف گوروصاحبان نے

سچائی کے لئے اُٹھائیں۔ مجھے اس کی نظیر کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ جو مجھ سے ہو سکے گا میں اس کالج کی بہبودی کے لئے کوشش کروں گا۔ لیکن چونکہ میرے ہاتھ کام سے پر ہیں۔ اس لئے میں اس کام کے لئے حصہ رسدی اپنے وقت کا جزو دے سکوں گا۔ اور نہ میں کسی کی جنبہ داری کر سکتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں اتنی زندگی میں صرف وہ کام کروں جو میری قوم کو بہ حیثیت مجموعی ابھارنے والا ہو۔

نوجوان خالصہ لڑکے اس کالج میں داخل ہوں تاکہ وہ گوروں کی پوتر زندگی کو اپنے سامنے رکھکر ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔ اور ہندو لڑکوں کو بھی اس میں داخل ہونا چاہیئے تاکہ وہ عملی طور پر گوروؤں کی پوتر زندگی کا اثر اپنے پر دلپذیر پیدا کر سکیں۔ گورونانک خالصہ کالج کی انتظامیہ کمیٹی دانشمند کمیٹی ہے اور مجھے امید ہے کہ ان کی دانشمندی ہر ایک قوم کی مدد کو اس کالج کے لئے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگی اور گرو مہاراج کی مدد ہمیشہ انکے شامل رہے گی۔

پنچایتوں کے حامیوں سے ایک ضروری عرضداشت

مجھے اپنے حال کے دورے میں کئی جگہ یہ علم ہوا ہے کہ پنچایتوں کی جدید تحریک کے زیر اثر برادریوں نے پرانے زخموں کو تازہ کرنا شروع کر دیا ہے اور برادریوں سے خارج کرنے یا حقہ پانی بند کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا ہے۔ میری رائے میں اس تحریک سے یہ کام لینا نہایت مضر اور خلاف اخلاق ہے پنچایتوں کو صرف ان معاملات میں دخل دینا چاہیئے اور ان مقدمات کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ جو ان کے سامنے حال کے واقعات کی بابت پیش کئے جائیں۔ مثلاً ایک جگہ ایک شخص کو جس کے گھر میں دس برس سے غیر قوم کی عورت تھی۔ برادری سے خارج کر دیا گیا اس عورت کا سابقہ خاوند فوجداری و دیوانی مقدمات کر چکا تھا۔ اور اب وہ کئی سال سے خاموش بیٹھا تھا۔ اس نے برادری کے سامنے کوئی جدید استغاثہ دائر نہیں کیا۔ کیونکہ معاملہ رفع دفع ہو چکا تھا اور ملزم اور اُسکی عورت مثل خاوند اور بیوی کے اپنے گھر میں آباد تھے برادری کا ادس

معاملہ کو پھر تازہ کرنا اور اس شخص کو برادری سے خارج کر دینا میری رائے میں نہ صرف خلاف مصلحت تھا۔ بلکہ پنچایتی فیصلوں کے اصول کے خلاف تھا۔ پنچایتوں کے متعلق دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے اول یہ کہ پنچایتوں کو فیصلہ شدہ یا پرانے جھگڑوں کو اٹھانے وسر سبز کرنے میں ہرگز مدد نہیں دینی چاہیئے۔ دوئم یہ کہ جو سزایا تاوان مقرر کئے جائیں وہ سخت و نامناسب نہ ہوں اور نہ ایسے ہوں جو نامناسب حد تک لوگوں کو ذلیل کرنے والے اور اُن کے اندر بدلہ کی خواہش پیدا کرنے والے ہوں۔ سزا دینے کی خواہش ایک نہایت مکروہ خواہش ہے خواہش یہ ہونی چاہیئے کہ محبت و آشتی سے جرائم کو کم کیا جائے اور لوگوں میں راستی و درست روی کی عادات پیدا کی جائیں۔ پرانی وحشیانہ سزاؤں کے سلسلہ کو دوبارہ اس ملک میں ترو تازہ کرنا سخت خطرناک ہے مثلاً گدھے پر سوار کرانا لوگوں کے فرضی جنازے نکالنا کسی کا سیاہ منہ کرا دینا۔ کالا منہ کر دینا وغیرہ یہ سزائیں سخت قابل اعتراض ہیں برادری سے اخراج اس قسم کی انتہائی سزا ہے۔ جو معمولی حالات میں کبھی نہیں دینی چاہیئے۔ چند روز کے لئے یا چند ماہ کے لئے کسی شخص کا حقہ پانی بند کر دینا یہ اور بات ہے۔ اس میں چنداں ہرج نہیں۔ مگر اسکو دھوبی یا حجام یا بھنگی کی خدمات سے محروم کر دینا نہایت بیرحمانہ حرکت ہے۔

بعض جگہ شراب کو بند کرنے یا سگرٹ کا استعمال بند کرنے کے لئے بھی برادری سے خارج کرنے کی دھمکی دیجاتی ہے۔ یہ بھی میری رائے میں سخت قابل اعتراض ہے۔ خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان معاملات میں فوری نتائج حاصل کئے جائیں۔ میری رائے میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ عام رائے کو ایسا مضبوط کیا جائے کہ لوگ خود بخود ان مذموم عادات کو چھوڑ دیں میں نے سنا ہے کہ ایک قصبہ میں سگرٹ بند کرنے پر بہت زور دیا جاتا ہے اور آخر سزا برادری سے خارج کرنے کی بھی مقرر کی گئی ہے۔ میں اس کو نہایت قابل اعتراض سمجھتا ہوں شراب اور سگرٹ میں تمیز نہ کرنا بھی سخت غلطی ہے اول شراب کے برخلاف عام رائے پیدا کر کے اور ٹھیکیداروں کو دکانات کے نہ دینے سے اُس کے استعمال کو بند کرنے کی کوشش کی جائے

تھوڑا بہت یا برادری کا بھی ڈالا جائے۔ لیکن برادری سے خارج کرنے کا فتویٰ کسی صورت میں نہیں دینا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص شراب نہیں چھوڑتا تو اُسکے ساتھ معمولی سوشیل برتاؤ مثلاً اس کے گھر میں دعوت کھانے جانا یا اسکو دعوتوں میں بلانا ترک کر دینا چاہیئے۔ مگر سگرٹ پینے والے کو اس قسم کی سزائیں دینا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ میں سگرٹ پینے کے حق میں نہیں ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ اس عادت کو بھی ہندوستانی چھوڑ دیں۔ لیکن حقہ نوشی یا سگرٹ پینا اس قسم کے عیب نہیں جن کی بیخ کنی کے لئے ہمیں غیر معمولی کوشش یا غیر معمولی سزائیں دینے کی ضرورت ہو ہماری سوسائٹی میں بیشمار ایسے آدمی شامل ہیں جو رشوتیں لیتے ہیں۔ ظلم کرتے ہیں بے ایمانیاں کرتے ہیں۔ غداری کرتے ہیں۔ بچوں کو سخت سے سخت بدنی سزائیں دیتے ہیں۔ لڑکیوں وعورتوں پر دست درازیاں کرتے ہیں۔ اگر ہم سگرٹ پینے والوں پر اپنا تمام اخلاقی غصہ خرچ کر دیں گے۔ تو ان بڑے بڑے مجرموں کے لیے کیا کریں گے۔

میں نے کہیں نہیں سنا کہ بدیشی کپڑا پہننے والے کے لئے کوئی سزا تجویز کی گئی ہو۔ یہ تمام حرکتیں نامناسب جوش اور طفلانہ قوم پرستی کا نمونہ ہیں۔ ہمیں اصلاح کا کام نہایت سنجیدگی سے کرنا چاہیئے اور اس میں تناسب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ لوگوں کو اس وقت گرویدہ کرنا ہے انکے اندر نفاق پھیلانا اور دھڑے بندی کی سپرٹ پیدا کرنا یا پارٹیاں بنانا ہمارا کام نہیں ہے۔

عام طور پر چشم پوشی و عفو سے کام لینا چاہیئے صرف خاص خاص جرائم کی صورتوں میں نرم سختی کرنی چاہیئے۔ نرم سختی کی اصلاح کو سمجھنا چاہیئے اور اسکے نمونے ڈھونڈنے چاہئیں جو پنچائتیں اس وقت انگریزی عدالتیں کر رہی ہیں۔ دوسری شکل میں انہیں کو خود کرنا یہ تعریف کے قابل نہیں۔ پنچایتوں میں فی الحال صرف وہ مقامات آنے چاہئیں۔ جو عدالتوں میں جانے والے ہوں اور جن کے فریقین ایسے بضد ہوں کہ وہ

خود آپس میں صلح نہ کرسکیں لوگوں کو خواہ مخواہ ذرا ذرا سی باتوں پر پنچایتوں کو تکلیف دینی یا برادری کو خواہ خارج کرنے کی سزا ایک ایسی انتہائی سزا ہے جس کا بکثرت استعمال مہلک ثابت ہوگا - اور جس سے بہت سی دیگر خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

وائسرائے کی تقریر

وائسرائے کی اس تقریر پر جو انھوں نے حال میں چیمسفورڈ کلب میں آنریبل میاں محمد شفیع صاحب کی صدارت میں دی بہت کچھ ناراضگی پھیل رہی ہے - ہندوستانیوں کا خیال ہے کہ وائسرائے نے دیدہ و دانستہ مہاتما گاندھی کی توہین کی اور مہاتما جی کی تمام ملاقات کو ہنسی مذاق میں ٹال دیا - دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ کھانے کے بعد جو تقریریں کی جاتی ہیں - اُن میں ہنسی مذاق معمولی بات ہے - اور اس لئے وائسرائے کی اس تقریر کو اس نقطہ خیال سے دیکھنا چاہیئے - لارڈ ریڈنگ مثلاً ایک ایشیائی ہیں اور اگر اونھوں نے اس موقع پر اس قسم کے معاملات کو ہنسی مذاق کا رنگ دیا تو انھوں نے ایشیائی رسم و رواج اور اخلاق سے پرلے درجہ کی ناواقفیت کا ثبوت دیا اس تقریر کے دو حصے ہیں۔

اول وہ جس میں یہ تبلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مہاتما جی نے وائسرائے سے ملاقات کی خود درخواست کی - اس معاملہ کے متعلق یہ کہنا کافی ہوگا کہ وائسرائے مہاتما گاندھی سے ملنا چاہتے تھے اُنکو یہ تبلایا گیا یا اُنھوں نے یہ سمجھا کہ مہاتما گاندھی کو بلانا اُن کے عہدہ کے رعب کے خلاف ہوگا اس لئے اونھوں نے ان کو نہیں بلایا - اسی اثناء میں مسٹر اینڈریوز اور پنڈت مدن موہن مالوی وائسرائے سے ملے ہم نہیں جانتے کہ وائسرائے نے انسے کیا کہا - اور اِن کے درمیان مہاتما گاندھی کی بابت کیا گفتگو ہوئی مگر اس قدر ہم جانتے ہیں کہ دونوں نے مہاتما گاندھی پر زور ڈالا کہ وہ وائسرائے سے ملیں - وائسرائے سے ملنے کا ایک ہی طریقہ تھا - یعنی یہ کہ مہاتما گاندھی ملاقات کی درخواست کرنے میں کوئی قابل اعتراض

حرکت نہیں کی۔ تحریک عدم تعاون ابھی اس مرحلے پر نہیں پہنچی کہ ہم اس حرکت کو اپنی تحریک کی شان کے خلاف سمجھیں۔ لیکن اگر وائسرائے صاحب ایسے ہی بے پرواہ تھے جیسے کہ وہ اپنی تقریر میں ظاہر کرتے ہیں۔ تو وہ مہاتما گاندھی سے چھ ملاقاتیں نہ کرتے پہلے روز کی ملاقات ۴ ½ گھنٹہ تک رہی اور اسی روز آیندہ ملاقاتوں کے لئے وقت مقرر ہو گیا۔ برٹش گورنمنٹ آف انڈیا کی تاریخ میں شاید یہ پہلا موقع ہے کہ کسی وائسرائے نے ایک معمولی آدمی سے (ہماری مراد معمولی سے یہ ہے کہ کسی ایسے ہندوستانی سے جو سرکاری نوکر نہیں اور نہ راجہ مہاراجہ ہے اس قدر لمبی گفتگوئیں کی ہوں۔

وائسرائے کا وقت نہایت قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ اگر ایک وائسرائے اپنے قیمتی وقت میں سے اس قدر وقت ایک شخص کی ملاقات میں صرف کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اس شخص کے ساتھ بات چیت کرنیکو کس قدر اہمیت دیتا ہے ہماری رائے میں یہ امر واقعہ کہ وائسرائے نے مہاتما گاندھی سے ایک ہفتہ کے اندر چھ ملاقاتیں کیں اور ملاقاتیں بھی اس قدر طول طویل اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ وائسرائے کی نظروں میں ان ملاقاتوں کو کس قدر اہمیت تھی۔ اس کے بعد وائسرائے کا یا کسی اور شخص کا اس واقعہ پر ہنسی مذاق اڑانا فضول ہے بات دراصل یہ ہے کہ ان ملاقاتوں میں فریقین کی اپنی اغراض تھیں۔ دونوں ایک دوسرے سے ملنا اور اپنے خیالات کا تبادلہ کرنا چاہتے تھے۔ ملاقات سے دو چار روز پہلے نیم سرکاری اخبارات پائنیر اور سول اینڈ ملٹری گزٹ نے نہایت منکسرانہ لہجہ میں مہاتما گاندھی سے یہ التجا کی تھی کہ وہ وائسرائے سے ملیں۔ ایسی صورت میں کسی اینگلو انڈین کا اس بات سے خوش ہونا کہ وائسرائے نے اس ملاقات کا خوب مضحکہ اڑایا ایک ایسی کمینہ حرکت ہے جس پر ہم ان کو مبارکباد نہیں دے سکتے۔ اس ملاقات سے ایک بدیہی فائدہ تو طرفین کو ہوا اور وہ یہ تھا کہ مولانا شوکت علی و محمد علی والا معاملہ باہمی رضامندی سے تصفیہ پا گیا۔ اس میں گورنمنٹ کی جیت رہی یا مہاتماجی کا کہنا مشکل ہے۔ میری رائے میں دونوں فریق نے مساوی دانشمندی

سے کام لیا اور ملک کی موجودہ حالت میں یہ فیصلہ بہت اچھا ہوا ورنہ خدا جانے اس کے فوری نتائج کیا نکلتے۔

ہندوستان میں مساوات کا راج

وائسرائے کی تقریر کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں انھوں نے مساوات کے اصول پر بہت کچھ کہا ہے تقریر کا یہ حصہ بہت حد تک ڈپلومیٹک ہے جسکو کوئی صائب الرائے بہت وزن نہیں دے سکتا۔ اس بارہ میں میں اخبار پائنیر کی صاف بیانی کی بہت تعریف کرتا ہوں۔ اخبار مذکور نے تسلیم کیا ہے کہ ہندوستان میں اس وقت قومی یا نسلی مساوات نہیں ہے اور نہ کچھ عرصہ تک ہو سکتی ہے۔ ہندوستانیوں کا دعویٰ ہے کہ جب تک ہندوستان میں نسلی مساوات نہ ہو تب تک ہندوستان میں امن اور چین نہیں ہو سکتا۔ نسلی غیر مساوات ہم کو اپنی زندگی کے ہر ایک قدم پر ملتی ہے۔ شام کو اپر مال پر سیر کرتے ہوئے یا نہر کے کنارے گھومتے ہوئے یا ریل پر سفر کرتے ہوئے۔ عدالتوں میں حاضری کے وقت یا اخبار پڑھتے ہوئے ہم ہر وقت نسلی امتیاز کی شہادت پاتے ہیں۔ نسلی امتیاز امپیریل سلطنت کی اصولی بنیاد ہے اس سے انکار کرنا روز روشن کو رات بتانا ہے کوئی امپائر نسلی مساوات کے اصول پر نہ بن سکتی ہے اور نہ قائم ہو سکتی ہے۔ جس وقت ہندوستان میں سے گوری اور کالے کی تمیز دور ہو گئی۔ اسی روز ہندوستان میں سوراج قائم ہو گیا۔ اس لئے لارڈ ریڈنگ کا یہ کہنا کہ برٹش حکومت میں یہ تمیز قائم نہیں رہ سکتی۔ واقعات کے بالکل خلاف ہے وقت ہے کہ ہندوستانی اعلیٰ برٹش مدبروں کی تقریروں کا مناسب وزن کرنا سیکھ لیں۔ اصولوں کا بیان کرنا اور بات ہے ان پر عمل کرنا امر دیگر ہے۔ ابھی تک لارڈ ریڈنگ نے اس امر کا کوئی ثبوت نہیں دیا کہ وہ اپنے بیان کردہ اصولوں پر عمل کرنے کو تیار ہیں شاید ابھی آپکی نسبت رائے زنی کرنا قبل از وقت ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے

لارڈ ریڈنگ قومی ونسلی امتیاز کے اصول کو عمل میں سے خارج کرنے کے لئے تیار ہیں ایام جنگ کی تقریروں اور تحریروں کو یاد رکھتے ہوئے اور جنگ کے بعد انگریزی و امریکن مدبروں کے عمل سے ان کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم یہ بھول نہیں سکتے ہیں کہ مدبروں کے الفاظ کے وہی معنے نہیں ہوتے جو عام انسان عام لغت سے سیکھتے ہیں۔ والیان و منتظمان سلطنت سفیروں اور وزیروں کی لغت ہی علیحدہ ہوتی ہے۔ انکی لغت میں بعض اوقات دن کے معنے رات اور رات کے معنے دن کے ہوتے ہیں۔ انکی تقریروں کو معمولی لغت سے سمجھنے کی کوشش کرنا اور انکے خوش کن فقرات سے بھول جانا یا خوش ہوجانا پرلے درجہ کی بیوقوفی ہے

آنریبل میاں محمد شفیع کی تقریر

ہم خوش ہیں کہ وائسرائے نے میاں محمد شفیع کی تقریر کا کچھ بھی اعادہ نہیں کیا وہ تقریر اس قدر خوشامدانہ اور جنبہ داری سے بھری ہوئی تھی کہ اس کا نوٹس نہ لینا بھی اس کا بہترین جواب تھا۔ ہم حیران ہیں کہ کیوں اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ۔ ذی عقل اور دانشمند ہندوستانی سرکاری عہدوں پر ممتاز ہوتے ہیں پالیٹکس کی اے۔بی۔سی۔ کو بھول جاتے ہیں۔ میاں محمد شفیع کے لئے یہ امر باعث فخر ہو تو ہو کہ وہ ایک غیر قوم کے محکوم و رعایا ہیں انہیں ایسی سلطنت میں شامل ہونے کا فخر ہو۔ جو انکو محض ایشیائی ہونے کی وجہ سے اپنے مختلف حصص سلطنت میں داخل ہونے نہیں دیتی۔ ورنہ کسی ذی شعور یا ذی حمیت ہندوستانی کو اس امر کا فخر نہیں ہوسکتا کہ برٹش سلطنت میں شامل ہوتے ہوئے ہندوستانیوں کے ساتھ وہ سلوک جائز ہو۔ جو کنیڈا آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میاں محمد شفیع کو یاد رہنا چاہئے کہ ان کی حیثیت تعلیم اور رتبہ کا آدمی ممالک متحدہ امریکہ میں جاکر آباد ہوسکتا ہے۔ وہاں کا شہری بن سکتا ہے۔ مگر کینیڈا۔ آسٹریلیا یا جنوبی افریقہ میں نہیں۔ عدم تعاون کے برخلاف بھی

میاں صاحب نے جو زہر اگلا۔ اس کا وائسرائے نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ہم حیران ہیں کہ کیوں یہ ممتاز ہندستانی خود اپنی زبان سے اپنی بے عزتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

کیا دنیا صرف دولتمندوں کیلئے ہے

دنیا کا موجودہ سوشیل نظام ایسا بنا ہوا ہے۔ جس سے دولتمندوں اور صاحب زمین وجائداد اشخاص کو غریب و مزدوری پیشہ جماعتوں کے مقابلے میں بہت بیجا فائدے پہنچ رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا صرف معدودے چند آدمیوں کے آرام و آسائش و فائدے کے لئے بنائی گئی ہو۔ دنیا کی زبردست دولتمند قومیں دنیا کی غریب اور زبردست قوموں کو لوٹ رہی ہیں۔ جس قدر کوئی قوم دولت مند ہے۔ اور زبردست اُس کے پاس مزید دولت پیدا کرنے کے وسائل ہیں۔ دولت ہی اس زمانہ میں طاقت کا معیار ہے۔ دولت کو سائنس سے اور سائنس کو دولت سے بہت کچھ مدد ملی ہے اور اسی واسطے زمانہ حال کی تہذیب کو مادی تہذیب کہا جاتا ہے۔ انسانی دماغ کے بہترین نتائج دولت مند و طاقت ور قوموں نے غریب و کمزور قوموں کو زبون کرنے اور اونکو لوٹنے میں استعمال کئے ہیں۔ پرانے زمانہ میں عموماً شمال سے زبردست اور طاقتور نسلیں زبردست اور طاقت ور لیڈروں کی ماتحتی میں اٹھتی تھیں اور دنیا میں چاروں طرف تاخت و تاراج کر کے اپنی حکومت کا سکہ جماتی تھیں۔ چنگیز خاں اور تیمور کی طاقت کا راز انکی علمیت قابلیت ذہنی۔ سائنس دانی یا دولتمندی نہ تھا۔ بلکہ انکی جسمانی طاقت اور بہادری برعکس اس کے زمانہ حال میں طاقت کی بنیاد دولت و علمیت پر ہے۔ زمانہ سابق کے لٹیرے برملا لوٹ مار کرتے تھے۔ انکی لوٹ مار میں کوئی باریکی نہ تھی۔ وہ بیرحم تھے۔ لیکن کھلے بیرحم تھے۔

اُن سے بچنے کے لئے لوگ جنگلوں پہاڑوں اور دیگر مشکل گزار مقامات میں پناہ لیتے تھے۔ اُن میں سے بھی گاہے گاہے کوئی اکبر پیدا ہو کر اپنی رعایا کے لئے باعث امن ہو سکتا تھا زمانہ حال میں طاقت کی بنیاد بدل گئی۔ اب طاقت کی بنیاد دولت اور علمیت پر ہے بہادری نہیں

آجکل بہادری کا پیمانہ وہ آتش فشاں ہتیار ہیں۔ جو میلوں کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے زن و مرد کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور اِن کے بدن کے ٹکڑوں کو میلوں تک اُٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ آجکل طاقت کا معیار وہ بم ہے جو ہوائی جہازوں سے معصوم خلقت پر گرائے جاتے ہیں اور جنسے بچنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ان ہتیاروں کے سامنے بہادر سے بہادر اور جانباز سے جانباز انسان ایسا ہی لاچار ہے جیسا کہ ایک معصوم بچہ اور ایک ضعیف و ناتواں بوڑھا یا ایک حاملہ عورت۔ یہ تمام ہتیار دولت سے بنوائے جاتے ہیں اور دولت سے خریدے جاتے ہیں۔ آجکل کی دولتمند قومیں ان دولت سے خریدے ہوے اور علمیت سے بنائے ہوئے ہتیاروں کے ذریعہ قوموں کو شکست دیکر اور انکو لاچار کر کے پھر دولت و علمیت سے انکا خون چوستی ہیں آہستہ آہستہ جو کچھ انکے پاس ہے یا جو وہ کماتے ہیں۔ وہ ان تہذیب یافتہ وحشیوں کی جیب میں چلا جاتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ یہ دولتمند و عالم قومیں نہ صرف خود تہذیب یافتہ ہونے کا دم بھرتی ہیں بلکہ یہ بھی دعویٰ کرتی ہیں کہ خداوند زمین و آسمان نے دنیا کو تہذیب یافتہ و شائستہ بنانے کا مشن اُنکے سپرد کیا ہے اور وہ اپنے خونی ہتیاروں کے استعمال سے اور اپنے عالمانہ ہتکھنڈوں سے دنیا پر اور مغلوب قوموں پر احسان کرتے ہیں۔ آجکل صرف یہ حال ہی نہیں کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے،، بلکہ مارے اور احسان کرے والا معاملہ ہے اس سوشیل نظام کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی خلق خدا خواہ وہ یورپ میں ہو یا ایشیا میں امریکہ میں یا افریقہ میں اس تہذیب کے ہاتھ سے نالاں ہے۔ اس تہذیب نے عیش و آرام کا جو سامان پیدا کیا ہے وہی عام خلقت کی بربادی اور مصیبت کا باعث بن رہا ہے۔ ایشیائی تاریخ کے مختلف زمانوں میں یورپ کے مختلف ممالک پر قبضہ پایا اور اُسکو لوٹا۔ اب یورپ کی باری ہے۔ یورپ تقریباً ڈھائی سو سال سے سود در سود وصول کر رہا ہے اور ایشیا کی مختلف قوموں کو لوٹ رہا ہے مگر یورپ خود بھی آرام میں نہیں ہے۔ یورپ میں ہمیشہ جنگ و جدل رہتا ہے اور طاقت کی میزان بدلتی رہتی ہے۔ لیکن قریباً دو سو سال سے طاقت دو تین دولتمند ہوشیار اور کثیر التعداد

اقوام کے ہاتھ میں ہے اور وہ سارے یورپ کو جس طرح چاہیں ناچ نچا رہے ہیں۔ برطانیہ کلاں اپنی دولت و علمیت کی وجہ سے ان اقوام میں ممتاز ہے۔ جرمنی بھی اپنی علمیت کی وجہ سے دولتمند اور طاقتور ہو چلا تھا۔ مگر اس گذشتہ جنگ نے اسکو تباہ کر دیا۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب جرمنی مردہ اقوام کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ فرانس گذشتہ دو سال میں عجیب عجیب قلابازیاں کھاتا رہا۔ مگر اس وقت وہ یورپ کی چھاتی پر سوار ہے۔ اس دولت و علمیت نے یورپ کو طاقتور اور حکمراں بنا دیا۔ لیکن وہ طاقت و علمیت صرف دو تین اقوام اپنے فائدہ کے لئے استعمال کر رہی ہیں اور اسکے ذریعہ دوسروں کو تباہ و برباد اور ذلیل کر رہی ہیں جیسے کہ بین الاقوام یہ حال ہے اسی طرح قوموں کے اندرونی نظام میں بھی یہی اصول کام کر رہا ہے دولت مند آدمی اپنی دولت کے ذریعہ غریبوں کو تباہ و ذلیل کر رہے ہیں دولت سے دولت بڑھتی ہے اور غربت سے غربت۔ جو دولت مند ہے وہ زیادہ دولت مند ہوتا جاتا ہے۔ اور جو غریب ہے وہ زیادہ غریب ہوتا جاتا ہے۔ غریب کے لئے دولتمند ہونے کے موقعے تو نہایت ہی کم ہیں۔ البتہ ایک دولتمند کے لئے دوسرے دولتمند کے ہاتھوں غریب ہو جانے کے موقعے بہت زیادہ ہیں۔ حکمران قوم کے دولتمند تاجر و کارخانہ دار اس حد تک ہندوستانی دولتمندوں و تاجروں کے مددگار ہیں جس حد تک یہ مددان کی دولت میں بیشی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ دونوں اپنی متفقہ اغراض کے لئے اپنی دولت و علمیت کو غریبوں کو زیادہ غریب بنانے میں استعمال کرنے سے پہلوتہی نہیں کرتے۔ غریبوں کے پاس جو کچھ ہے عموماً تو سوائے جسمانی محنت کے اور کچھ نہیں ہوتا اسکو مختلف ہتھکنڈوں سے لیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دن بدن اشیاء ضروری کی قیمت بڑھتی جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں مزدوری کی شرح کم ہوتی جاتی ہے مزدوری کی شرح ظاہرا تو بہت بڑھ رہی ہے لیکن جو مزدوری اس وقت ملتی ہے اس میں خریدنے کی طاقت اس مزدوری سے بہت کم ہے۔ جو سابقہ مزدوری میں تھی۔ میں گذشتہ موسم سرما میں ٹاٹا نگر میں گیا تھا۔ جہاں بمبئی کی مشہور پارسی کمپنی نے ایک بڑا بھاری لوہے کا

کارخانہ جاری کیا ہے۔ وہاں اب بھی عام طور پر مزدوروں کی مزدوری پانچ آنہ یا چھ آنہ روز سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی طرح کوئلہ کی کانوں میں بھی ابھی تک ایسی ہی شرح مزدوری کی ہے۔ پنجاب میں بلاشبہ مزدوری معقول ہے۔ تاہم اگر غور سے مزدوروں کو مزدوری اور قیمتوں کی بیشی کا مقابلہ کیا جائیگا تو معلوم ہو جائیگا کہ اس بیشی سے مزدوروں کی مالی حالت میں بہت کم فائدہ ہوا ہے۔ تعلیم یافتہ مزدوروں کا تو نہایت ہی بُرا حال ہے۔ جس کلرک یا بابو کو پہلے پچاس روپیہ ماہوار ملتے تھے اسکی تنخواہ میں اس قدر بیشی نہیں ہوئی جس قدر کہ اُسکے اخراجات ہیں تعلیم یافتہ مزدوروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے اُن کا سٹینڈرڈ زندگی اونچا ہو گیا ہے۔ اُنکا خرچ بڑھ گیا ہے۔ ان کی ضرورتیں زیادہ ہو گئی ہیں۔ مگر اِن کی مزدوری اور آمدنی دن بدن کمی پر ہے۔ اس پر بھی گورنمنٹ دولتمند ساہوکار کمپنیوں کے مالک۔ صاحبان آراضی لوگ اس امر کے دعویدار ہیں کہ وہ اپنی دولت کے بڑھانے کے ذرائع ایجاد کرنے سے ان غربا پر احسان کر رہے ہیں۔ احسان یہ ہے کہ وہ انکو زندہ رہنے کا موقع دیتے ہیں۔

ہماری گورنمنٹ منہ سے یہ دعوی کرتی ہے کہ وہ غریبوں کی مائی باپ ہے۔ لیکن جب اُسکے عمل پر نگاہ ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف دولتمندوں کی طرفدار ہے۔ بلکہ زیادہ تر انہیں کے فائدہ و منافع اور آرام کے لئے ہے۔ زندگی کا کوئی محکمہ لیجیے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ گورنمنٹ دولتمندوں کی طرفدار ہے قانون بنانے کی مجالس میں میونسپل کمیٹیوں میں ڈسٹرکٹ بورڈوں میں۔ جہاں دیکھو دولتمندوں کا راج ہے۔ ہر جگہ دولتمندوں روسار۔ مالکان آراضی یا صاحب جائداد اشخاص کو خاص طور پر نیابت دی گئی ہے اول تو عام طور پر رائے دہندگان کے لئے جائداد کی شرط ہے اور عموماً سوسائٹی میں رسوخ دولتمندوں یا صاحب جائداد آدمیوں کا زیادہ ہے۔ ہر ایک انتخاب میں زیادہ تر تعداد بلکہ ۹۰ فی صدی دولتمند و صاحب جائداد کامیاب ہوتے ہیں۔ مگر اس پر بھی گورنمنٹ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ ان مالکان آراضی و دولتمندوں کو خاص نیابت کا حق دے۔ جسقدر زیادہ دولت اور جائداد

اسی قدر زیادہ حق۔ لاہور کی میونسپل کمیٹی میں اب تک گورنمنٹ چار رئیسوں کو نامزد کیا کرتی تھی اب اسکو اِن دولت مند رئیسوں کی حالت پر اِس قدر ترس آیا ہے کہ بجائے چار کے ان کی تعداد میں دو کی بیشی کر دی گئی ہے۔ اِن کی لغت میں رئیس کے معنے اُس شخص کے ہیں۔ جو دولتمند ہو۔ اور علاوہ دولتمند ہونے کے اُنکا طرفدار اور جھوٹی چاپلوس ہو ان کے نزدیک عزت کے قابل وہ شخص ہے۔ جس کو اُسکے ہموطن نفرت اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ اور اگر کسی شخص کو اُنکے مقرر کردہ رائے دہندگان نے انتخاب کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اس سے گورنمنٹ کی نگاہوں میں اور نیز تعلیم یافتہ ہندوستانی وزیروں کی نظروں میں اُس شخص کی عزت زیادہ ہو گئی اور وہ گورنمنٹ کی خاص مہربانی کا حقدار ہو گیا یہ حالت تو کونسلوں اور میونسپل کمیٹیوں کی ہے جن میں گورنمنٹ عموماً ایسے اصحاب کو نامزد کرتی ہے۔ جنکو اونکے ہموطن ناپسند کرتے ہیں اور اور جنکو وہ اس قدر اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے کہ انکو اپنا نائب مقرر کریں۔ زندگی کے دوسرے محکموں میں بھی اسی اصول کی پیروی کی جاتی ہے۔ میرے مکان کے متصل لوئر مال پر گورنمنٹ کالج کے لڑکوں کے لئے ایک عالیشان محل تیار ہو رہا ہے۔ جس کو میں ہر روز دیکھتا ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ کاش یہ روپیہ غریب لڑکوں کو روزی کمانے کے قابل بنانے والی تعلیم پر خرچ کیا جاتا۔ جس قدر روپیہ گورنمنٹ ان عالیشان عمارات پر خرچ کر رہی ہے جس سے چند دولتمند لڑکوں کو آرام دینا مقصود ہے۔ اِس قدر روپیہ سے ایک اچھا خاصا ٹکنیکل کالج قائم ہو سکتا ہے۔

گورنمنٹ کے دیکھا دیکھی پرائیوٹ جماعتیں بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔ جہاں لاہور کا ٹیکنیکل جوبلی انسٹی ٹیوٹ روپیہ کی کمی کی وجہ سے حالت بیکسی میں ہے وہاں دیانند کالج لاہور اور دیال سنگھ کالج لڑکوں کو ایف۔ اے اور بی اے بنانے کے لئے سربلند اور عالیشان عمارات بنا رہے ہیں اور انکو دیکھکر اپنی آنکھوں کو گرد پرسن کرتے ہیں تعلیم کے تمام سامان اور تمام آرام دولتمندوں کے لئے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے وہ ہموطن جو ایثار نفسی کرتے ہیں۔ انکی ایثار نفسی

قربانی اور خیرات بھی زیادہ تر دولتمندوں کو مفید پڑتی ہے اسی طرح ریلوے کا سفر لیجئے سیکنڈ کلاس کا مسافر تھرڈ کلاس کے مسافر سے کم کرایہ دیتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جس قدر جگہ سیکنڈ کلاس کا مسافر گھیرتا ہے اور جس قدر سامان ریلوے اُس کے آرام کے لئے مہیا کرتی ہے اُس کے مقابلہ میں جو کرایہ وہ دیتا ہے وہ تھرڈ کلاس کے مسافر سے کم ہے۔ سیکنڈ کلاس کے مسافر کے لئے کم خرچ پر زیادہ آرام مہیا کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ریلوے کی آمدنی زیادہ تر تھرڈ کلاس کے مسافروں سے ہوتی ہے۔ میں جس وقت اپنے لئے ایک بنچ ریزرو کرا کر پیر پسار کر ریلوے گاڑی میں سوتا ہوں اور سٹیشن پر بوڑھی عورتوں کو ریل میں بیٹھنے کے لئے دھکے کھاتے دیکھتا ہوں اُس وقت مجھے نہایت رنج اور افسوس ہوتا ہے۔ مگر ایک سیکنڈ کے لئے افسوس کر کے پھر آرام سے سو جاتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ میں نے سیکنڈ کلاس میں سفر کر کے قوم پر احسان کیا

بہت سے تھرڈ کلاس کے مسافروں کو ریل میں جگہ نہیں ملتی اور وہ جاڑے کی سخت سردی میں فٹ بورڈ پر لٹکتے لٹکتے سفر کرتے ہیں ان کی جان ہر وقت خطرہ میں رہتی ہے اور اُنکی صحت کا نہ تو اُن کو خیال ہے اور نہ کسی دوسرے کو اُس وقت سیکنڈ اور فرسٹ کلاس کے مسافر آرام سے پیر پسار کر فی کس ایک بنچ لیکر سوتے ہیں۔ گرمی میں اُن کے لئے پنکھے کا انتظام ہے جاڑے میں وہ سردی سے محفوظ ہیں۔ اُنکے لئے نفیس گاڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ جن میں ہر طرح کا آرام مہیا کیا گیا ہے۔ ایک ریلوے ٹرین میں جس قدر جگہ پانچ سیکنڈ کلاس کے مسافروں کو ملتی ہے۔ اتنی جگہ اکثر اوقات پچاس تھرڈ کلاس کے مسافروں کو نہیں ملتی اس کے علاوہ اُنکے آرام و آسائش کے لئے جو ساماں ریلوے ٹرین میں اور سٹیشنوں پر موجود ہے۔ اُسکا تو ذکر ہی کیا ہے

اسی طرح مہربان و قابل قدر ڈسٹرکٹ بورڈوں و میونسپل کمیٹیوں نے جگہ جگہ ڈاک بنگلے بنا رکھے ہیں جہاں انگریز صاحبان و دولت مند ہندوستانی ۲۴ گھنٹہ کے لئے ایک روپیہ کرایہ دے کر وہ آرام پاتے ہیں جو اُنکو پانچ یا دس روپیہ کرایہ دیکر نصیب نہ ہو۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں کی آمدنی غریبوں سے ہے۔ مگر اُن کا خرچ امیروں کے لئے اگرچہ کچھ

فاصلہ پر ایک مقام فتح پور سیکری ہے۔ جو ایک مشہور مقام ہے۔ جہاں اکثر انگریز صاحبان سیاحی کے لئے جاتے ہیں وہاں کا ڈاک بنگلہ کلکتہ اور بمبئی کے درجہ اول کے ہوٹلوں سے زیادہ آرام دیتا ہے مگر کرایہ ۲۴ گھنٹہ کے لئے ایک روپیہ اور چھ گھنٹہ کے لئے آٹھ آنہ ہے یہ ڈاک بنگلے غریب لوگوں کے وصول کردہ روپیہ سے بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح لاہور میں میونسپل کمیٹی کی ایک عالیشان عمارت چند دولتمند انگریزوں کے استعمال کے لئے وقف ہو رہی ہے جو سٹرکیں اینگلو انڈین آبادی کے نزدیک ہیں۔ اِن کی صفائی اور روشنی پر میونسپل کمیٹی کے محاصل کا کثیر حصہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بمقابلہ اس شہر کے گلی کوچوں میں بیماری۔ غلاظت اور اندھیرے کا راج ہے۔ جو ممبران سول سٹیشن کی زیبائش پر توجہ دیتے ہیں وہ گورنمنٹ کے نزدیک زیادہ لائق اور زیادہ قابل عزت ہیں۔ غرض جدھر بھی ہم نگاہ ڈالیں ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قدرت نے دنیا کو خدا کے تمام بندوں کے لئے یکساں بنایا ہے۔ وہاں پر انسان نے اور انسانی خداوندوں یا سرکاروں نے دنیا کو چند دولتمندوں کیلئے مخصوص کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ پہلا کام خدا کا ہے اور دوسرا کام انسان کا

وفاداری

وفاداری ایک جذبہ ہے جسکی تہ میں دو اغراض کام کرتے ہیں۔ ایک احسانمندی اور دوسری خودغرضی احسانمندی اور خودغرضی دو طرح کی ہو سکتی ہے۔ شخصی اور قومی قومی وفاداری کی بنیاد قومی احسانمندی اور قومی مفاد پر ہوتی ہے۔ شخصی وفاداری کی بنیاد شخصی مفاد پر ہے۔ یورپین ممالک میں گورنمنٹ وقت رعایا کی نائب ہے۔ رعایا گورنمنٹ سے وفاداری کی امید رکھتی ہے اور گورنمنٹ رعایا سے۔ گورنمنٹ کثرت رائے سے منتخب ہوتی ہے۔ اس لئے قلت رائے والوں کی وفاداری محض قانونی وفاداری ہے۔ اُن کو قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ وہ جائز طرح کی جدوجہد سے گورنمنٹ

وقت کو تبدیل کر سکیں۔ وہ ہر وقت گورنمنٹ کی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اُس کے واحد ممبران کے نقص بتاتے ہیں۔ اور اہل ملک سے گورنمنٹ کو تبدیل کرنے کے لئے رائے مانگتے ہیں ایسا کرنے سے اُنکی قانونی وفاداری میں کوئی فرق نہیں آتا۔ برخلاف اس کے جو فریق گورنمنٹ کا ممد و معاون ہوتا ہے۔ اس میں دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک سادہ جو عام اصولوں پر اور ملک کی بہتری کے لئے گورنمنٹ کی مدد کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ جن کی مدد کو گورنمنٹ مختلف ذریعوں سے خریدتی ہے۔

ہندوستان میں خطاب۔ عہدے۔ مربعے۔ جاگیریں اور ٹھیکے وفاداری کی قیمت سمجھے جاتے ہیں۔

یہ طریقے ممالک مغرب کی گورنمنٹیں بھی استعمال کرتی ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ ہندوستان میں اسکا رواج بدرجہا زیادہ ہے۔ ماتحت قوموں میں ایسے آدمی بکثرت ملتے ہیں۔ جن کی وفاداری خریدی جاسکتی ہے۔ آزاد قوموں میں اس قسم کے انسانوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جو وفاداری اس طرح سے خریدی جاسکے وہ نہایت ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ جس وقت قیمت زیادہ دوسری طرف سے مل جاوے تو وفادار کی وفاداری کا مرکز بدل جاتا ہے۔

پنجاب میں وفاداری خریدنے کا یہہ سلسلہ بہت سالوں سے جاری ہے۔ مربعوں اور جاگیروں نے بہت سے نیک نہاد تعلیم یافتہ انسانوں کو خوشامدی۔ جھوٹا۔ کمزور اور بزدل بنا دیا ہے۔ حتی کہ یہ سلسلہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ طبقوں تک پہنچ گیا ہے۔ کالج کے نوجوانوں کو عہدوں کا لالچ دیکر مختلف قسم کی کمینی حرکات کرنیکا عادی بنا دیا ہے۔ زندگی میں داخل ہوتے ہی کئی قسم کے لالچ اُنکے سامنے رکھے جاتے ہیں +

جوانی کے پوتر جذبات کو ناپاک اور گندہ خواہشوں کا مطیع کر کے زہر آلودہ کیا جاتا ہے بعض سکولوں میں اسی قسم کی تحریک جاری ہے۔ بعض حضرات نے تو یہ پیشہ

ہی اختیار کر دیا ہے کہ جھوٹی سچی خبریں پھیلا کر اپنا رسوخ جمادیں ۔ ایک طرف تو گورنمنٹ پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ لوگ اُنپر اعتبار کرتے ہیں ۔ دوسری طرف وہ لوگوں کو یہ جھانسہ دیتے ہیں کہ گورنمنٹ حلقوں میں اُنکا بہت گہرا رسوخ ہے ۔ یہ سلسلہ گورنمنٹ کے لئے بھی نہایت مضر ہے ۔ مگر لوگوں کے اخلاق اور حمیت کو جو صدمہ اس سے پہنچتا ہے وہ ناقابل بیان ہے ۔ جس قوم میں اس قسم کے آدمیوں کو لیڈر مانا جاوے یا جس قوم میں اس قسم کے آدمیوں کی کثرت ہو ۔ یا جس قوم میں اس قسم کے انسانوں کو عزت دی جاوے وہ قوم کبھی بھی آزادی یا سوراجیہ کے لائق نہیں ہو سکتی ۔ سوراجیہ کے لئے پہلی منزل یہ ہے کہ قوم میں خودداری کا مادہ ہو اور قوم کی لیڈر شپ ایسے اشخاص کے ہاتھ میں ہو جن کو کوئی خرید نہ سکے ۔ جو شخص خریدے جا سکتے ہیں ۔ وہ ہرگز ہرگز قومی لیڈر شپ کے قابل نہیں ۔ جو شخص روپیہ کا غلام ہے ۔ جائداد کا غلام ہے ۔ عہدوں اور عزت اور خطابات کا غلام ہے ۔ وہ دوسروں کی آزادی کے راستہ پر رہنمائی نہیں کر سکتا ۔

آنانکہ خود گم اند کرا رہبری کنند

اُن سے قوم کی آزادانہ نیابت کی امید کرنا لاحاصل ہے ۔ ایسے اشخاص کو جاگیریں اور مربع اور اراضیات دینے سے گورنمنٹ رعایا پر ظلم کرتی ہے ۔ گورنمنٹ کو تعلیم کی اشاعت کیلئے روپیہ کی ضرورت ہے ۔ ایسے اشخاص کو جاگیریں دینا جو پہلے ہی سے ضرورت سے زیادہ مالدار ہیں سخت قابل اعتراض ہے ۔ اراضیات قومی جائداد ہیں ۔ اُنکا بہترین استعمال یہ ہے کہ وہ غریب کاشتکاروں کو دی جاویں ۔ نہ کہ اُن لوگوں کو جو اراضی کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں ۔ جس کا پیٹ بھرا ہوا ہے ۔ اُسکو اور خوراک دینا خوراک کا بیجا استعمال ہے ۔ ہمارے صوبہ میں لاکھوں غریب زمیندار ایسے ہیں ۔ جن کے پاس زمین اُنکے اور اُنکے بال بچوں کے گذارے کے لئے کافی نہیں ہے ۔ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ جو اراضیات سرکاری ہیں وہ ایسے لوگوں کو رعایتی شرح لگان پر دے ۔ رائے بہادروں

سردار بہادروں - خان بہادروں - ساہوکاروں - اور بڑے بڑے عہدہ داروں کو زمینیں دینا نہایت نامناسب ہے - یہ اختیارات کا بیجا استعمال ہے - ہم یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ان لوگوں کی وفاداری سے سرکار کو کچھ فائدہ نہیں - عام رعایا کی خوشحالی - اور وفاداری زیادہ بھروسہ کے قابل ہے - بہ نسبت اشخاص واحد کے - جو لوگ حکام کی خوشامد در آمد سے بڑی بڑی جائدادیں بناتے ہیں - اور خطاب حاصل کرتے ہیں - وہ بہت جلد مشکوک ہو جاتے ہیں - اور انکا رسوخ اپنے اہل وطن میں کم ہو جاتا ہے - میں نہایت ادب سے گورنمنٹ وقت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس طریقہ کو جس سے لوگوں کی وفاداری خرید کی جاتی ہے - بند کر دیں - لوگوں کو وفادار بنانے کے ذریعے یہ ہیں -

(۱) - پولیس یا عدالتوں کو رشوت سے پاک کیا جاوے +

(۲) زمینداروں کی مالی حالت کو بہتر بنانے کی ترکیبیں سوچی جاویں - جو زمینیں سرکاری ملکیت ہیں وہ غریب مزارعاں کو کاشت کے واسطے دی جاویں -

یاد رکھنا چاہئے کہ ساہوکاری کوئی ذات نہیں ہے - جاٹ یا آرائیں یا راجپوت یا مالی ساہوکار ایسا ہی خطرناک ہے جیسا کہ بنیا - براہمن - کھتری یا اروڑہ - گورنمنٹ اپنے عمل سے بنئے ساہوکاروں کے برخلاف جہاد کر کے جاٹ ساہوکار - آرائیں ساہوکار - راجپوت ساہوکار پیدا کر رہی ہے - جو اپنے ماتحت مزارعان و اسامیان پر اتنا ہی ظلم کرتے ہیں جتنا کہ بنئے یا کھتری کرتے تھے - اصل خرابی اس میں کہ قوم کا سرمایہ کثیر قوم میں چند آدمیوں کے ہاتھ میں آجاوے یا قوم کی زمین چند مالکان کے پاس چلی جاوے - یا ایسے مالکان کے پاس چلی جاوے جو اسکو اپنے اور اپنے بچوں کے لئے ذریعہ معاش نہیں سمجھتے - بلکہ جو اس سے اپنی دولت کی بیشی چاہتے ہیں +

(۳) - تعلیم عام اور مفت کی جاوے - لوگوں کو حرفت و صنعت سکھائی جاوے تاکہ ان کو دوسروں کا دست نگر نہ ہونا پڑے -

(۴) - بیماری کو روکنے و رفع کرنے پر زیادہ روپیہ خرچ کیا جاوے - سال بھر میں جس قدر روپیہ سرکار وفاداروں کو وفاداری کا انعام دینے میں خرچ کرتی ہے اگر اُسکو بیماری کے روکنے یا رفع کرنے میں لگایا جاوے - تو اُس سے وفاداری زیادہ پھیلے -

(۵) - انگریز افسروں کی رعونت کو کم کیا جاوے - تاکہ وہ ہندوستانیوں کے ساتھ بھی انسانوں کی طرح پیش آویں - سرکار کے سب سے بڑے اور مہلک دشمن وہ انگریز ہیں جو آئے دن ہندوستانیوں کے ساتھ رعونت و بدسلوکی سے پیش آتے ہیں - اور جو اُنکو ہر وقت اپنی بیکسی و بیچارگی کی یاد دلاتے ہیں -

(۶) - سب سے زیادہ وفاداری پھیلانے کا یہ ذریعہ ہے کہ لوگوں کو عملی پالیسی سے یہہ یقین دلایا جاوے کہ انگریز ہمکو لوٹنا نہیں چاہتے - جب تک کثیر تعداد انگریزوں کی اس قدر بڑی بڑی تنخواہوں پر مامور رہے گی - اور نیز گورنمنٹ کی مالی پالیسی میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوگی - چند جاگیرداروں یا مربع یافتہ یا خطاب یافتہ وفاداروں سے گورنمنٹ کو کچھ فائدہ نہ پہنچیگا - اس ملک میں راجے مہاراجے - نواب تو پہلے ہی سے بہت زیادہ ہیں اُن کی تعداد میں بیشی کرنا گورنمنٹ کے لئے باعث فخر اور مضبوطی نہیں ہے - گورنمنٹ کی مضبوطی رعایا کی مضبوطی میں ہے - جس روز سے وفاداری کا بازار گرم خرید و فروخت زیادہ گرم ہوا ہے - اُسی روز سے عام رعایا کی وفاداری سرد پڑ گئی ہے گورنمنٹ یقین کرے کہ جتنا وہ اس بازار کو زیادہ گرم کرے گی - اُسی قدر رعایا کے دل اُس کی طرف سے سرد ہوتے چلے جاویں گے -

گورنمنٹ نے جو نیا طریقہ وفاداری پھیلانے کا بذریعہ پبلسٹی کمیٹی جاری کیا ہے - وہ بھی نہایت اعتراض کے قابل ہے - ہم فی الحال اُس کی نسبت صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ اُس سے سوائے اِن کے ایک انگریزی اور چند ہندوستانیون کی شکم پوری ہو - رعایا کو کچھ فائدہ نہیں -

آزادی

دنیا میں اِس وقت نہایت ہلچل ہے۔ چاروں طرف آزادی۔ اخلاقی۔ دماغی روحانی
مذہبی۔ اقتصادی۔ اور پولیٹیکل آزادی کی پکار ہے۔ جن ممالک و جن قوموں کو ہم آزاد سمجھتے
ہیں۔ اور جو ہمارے مقابلہ میں آزاد ہیں وہاں بھی لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اُن کو کافی آزادی
نہیں۔ یا اُس قسم کی آزادی نہیں جیسی کہ وہ چاہتے ہیں۔ اِس لئے لوگ آزادی کے لئے کوشش
کر رہے ہیں۔ پریس پلیٹ فارم پلپٹ (ممبر) سب آزادی کی صدا سے گونج رہے ہیں۔ لوگ خوشی
خوشی آزادی کے پرچار میں تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں۔ آزادی کے دشمن آزادی کے پرچارکوں کو
قسم قسم کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ اُنکی روزی میں خلل ڈالتے۔ اُنپر مقدمات چلاتے ہیں۔ اُنکو
جیلخانہ بھیجتے ہیں جیل خانوں میں اُنکو عذاب دیتے ہیں۔ آزادی کے پرچارکوں کو دنیا میں کہیں
چین نہیں۔ اور اسی طرح آزادی آزادی پکارتے پکارتے جان دیتے ہیں۔ مگر اُن سے بعد کی
آنے والی نسلیں اُنکے لگائے ہوئے درخت سے فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ آزادی کا درخت نہایت
بارور ہوتا ہے۔ اُسکا سایہ بھی نہایت سہاونا ہوتا ہے۔ یہ ایسی فصل ہے کہ جتنی اُگے اُتنی
ہی برکت والی ہوتی ہے۔ آزادی کے لئے خفیف سے خفیف کوشش بھی بے سود نہیں جاتی
ہم نہیں کہہ سکتے کہ دنیا میں کسی زمانہ میں مکمل آزادی تھی یا نہیں۔ ہمارا تو اپنا خیال ہے کہ
کہ جس زمانہ کو انسانی تہذیب کا زمانہ قدامت کہا جاتا ہے۔ اُس زمانہ میں بنی نوع زیادہ سکھ
میں تھے۔ اور اُنکو زیادہ آزادی نصیب تھی۔ لیکن خیر اس بات کو چھوڑ کر یہ تو ماننا پڑیگا
کہ یورپ اور امریکہ میں اس وقت بمقابلہ پندرہ سو یا دو ہزار سال گذشتہ کے زیادہ آزادی ہے
آزادی ایسی چیز ہے کہ جس قدر ملتی ہے۔ اُسی قدر اُسکی خواہش بڑھتی جاتی ہے ترقی کا
معیار ہے آزادی۔ جس قدر کوئی انسان یا کوئی قوم یا کوئی دیگر گروہ انسانی آزاد ہے اُسی
قدر وہ زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ مکتی کے معنی ہیں آزادی کے۔ نجات کے معنی ہیں آزادی پس

آزادی کی طرف ترقی کرنا گویا مکتی اور نجات کی طرف قدم بڑھانا ہے۔ جس قدر انسان راجنیتی مذہبی۔ اخلاقی۔ ایکانامک اور پولیٹیکل زنجیروں کو توڑتا جاتا ہے اُسی قدر مکتی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ جس قدر زنجیریں انسان اپنے دماغ اپنے جسم اور اپنی روح کے ارد گرد رکھتا ہے اُسی قدر وہ قید ہے۔ اصلی آزادی جب ہی پراپت ہوتی ہے۔ جب انسان یکے بعد دیگرے ان زنجیروں کو توڑتا ہوا ایک روز مکمل آزاد یا مکت ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اُسکو پرم آنند کی پراپتی ہوتی ہے

لیکن بہت دفعہ انسانوں کو اپنی اور دوسروں کی زنجیریں توڑنے کے لئے زنجیریں پہننی پڑتی ہیں۔ آزادی کی کش مکش کے دوران میں بہت دفعہ آزادی کے پرچارکوں کو سوشیل (سماجک) بندھنوں میں اپنے آپ کو ڈالنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں آزادی کے دشمن کسی دوسری یا کسی دیگر قسم کی زنجیریں اُنکے لئے تجویز کرتے ہیں۔ مگر آزادی کے دلدادہ آزادی کے پرچارک ان زنجیروں کو ہنسی خوشی پہنتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان زنجیروں سے وہ آزادی کی دیوی کے پیروں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کو کاٹتے ہیں۔

آزادی کا راستہ اور آزادی کا پرچار بڑا کٹھن ہے۔ اِس مشکل گذار راستہ میں قسم قسم کے عذاب اور تکلیفیں ہیں۔ مگر اِس راستہ میں سے گذرنے والے آزادی کے پوجاری جان بوجھکر اِن تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں۔ اور اِن عذابوں کو سہتے ہیں۔ کیونکہ یہ احساس کہ وہ آزادی کے لئے یہ سب کچھ بھوگ رہے ہیں۔ اُنکو ایسا سکھ دیتا ہے کہ جو اُس سکھ سے اُنہیں زیادہ گہرا اور آنند وایک ہے۔ جو غلامی کی حالت میں دنیا کے مال و دولت سے محل ماڑیوں سے۔ زمینوں اور جاگیروں سے سکھ کے متلاشیوں کو مل سکتا ہے آزادی ایک عجیب رس ہے جو دنیا کے تمام رسوں سے خوش گوار اور دیرپا ہے۔ آزادی ایک عجیب لذت ہے جو دنیا کی تمام لذتوں سے زیادہ لذیذ اور زیادہ مزیدار ہے اِسکے سامنے دنیا کے تمام رس اور لذتیں ہیچ ہیں۔

آزادی اندر سے حاصل ہوتی ہے باہر سے نہیں۔ آزادی کسی کے دینے سے نہیں

ملتی آزادی وہ چیز ہے جسکو انسان خود اپنی کوشش سے اپنے سادھنوں سے حاصل کرتا ہی دنیا میں مالدار انسان مال کا دان کر سکتا ہے۔ اور سب چیزیں دان کی جا سکتی ہیں مگر آزادی کوئی کسی کو نہیں دے سکتا۔

آزادی دینے سے نہیں ملتی۔ بعض لوگ آزادی کی تلاش میں گورو اور اُستاد اور راہ نما ڈھونڈتے ہیں۔ گورو و اُستاد و راہنما کسی قدر راستہ بتا سکتے ہیں۔ مگر آزادی ملتی ہے۔ اپنی ہی کوشش سے۔

جس طرح یہ بات سچ ہے۔ واحد انسانوں کی حالت میں اُسی طرح یہ بات سچ ہے۔ قوموں کی صورت میں۔ اہل وطن! یہ سچائی اس قابل ہے کہ تم اس پر خوب غور سے عمل کرو۔ اور اس کو اپنے دماغ کا۔ اپنے ذہن کا۔ اور اپنے آتما کا ایک جزو بناؤ۔ جب تک تم اس سچائی کو اپنے کیرکٹر کا جزو نہیں بناؤ گے۔ ادھر اُدھر بھٹکتے پھرو گے۔ اور آزادی حاصل نہ ہوگی۔

پنجاب کے وزیر تعلیم کا پروگرام

۔ا تاریخ کے اخبار ٹریبوں میں وزیر تعلیم نے اپنا پروگرام شائع کرایا ہے میں نے اِسکو نہایت شوق سے پڑھا۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے اسکے پڑھنے سے کمال مایوسی ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزیر تعلیم کے پاس کم از کم تعلیم کے متعلق کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ سارے کا سارا بیان محض مبہم اور بے معنی الفاظ کا مجموعہ ہے جنمیں سے اکثر کو ہم نے کتابوں میں پڑھ رکھا تھا۔ وزیر تعلیم سے جس کو پانچ ہزار روپیہ ماہوار پبلک خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ ایک خاص پروگرام یا سکیم تعلیم کی پیش کریں گے جس سے پبلک کو یہ رائے قائم کرنیکا موقع ملے کہ آیا انکی سکیم سے اُن کو کچھ فائدہ ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔

ابتدائی تعلیم کی بابت اُنھوں نے ہم کو یہ بیش بہا صداقت تبلائی ہے کہ پرائمری تعلیم کا مدار روپیہ اور اچھے استادوں پر ہے۔ پیشہ اُستادی کی بہت تعریف کی ہے۔ جس کو پڑھکر ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاشکہ وزیر صاحب بجائے وکالت کے اُستاد ہوتے اور اپنے عمل سے یہ ثابت کرتے کہ بہترین ذریعہ ملک کی خدمت کرنے کا اُستاد بننا ہے۔ پیشہ اُستادی کی تعریف سے کچھ فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ اُستادوں کے لئے کافی روٹی کپڑے کا انتظام نہ ہوگا۔ جب تک اُستادوں کو وہ تنخواہیں ملیں گی۔ جو اس وقت مل رہی ہیں۔ تب تک یہ امید کرنا کہ لائق آدمی محکمہ تعلیم کی نوکری قبول کریں گے ایک امید موہوم ہے۔ نارمل سکولوں کی تعداد میں اضافہ کرنے سے بھی یہ مطلب پورا نہ ہوگا اور یہ بھی بالکل غلط ہے کہ جب تک ٹرینڈ اُستادوں کی سپلائی پوری نہ ہو جائے ابتدائی تعلیم کی اشاعت میں کوئی قابل قدر کام نہیں کیا جا سکتا۔ ملک ابتدائی تعلیم کے لئے اُس وقت تک انتظار نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ نارمل سکول پاس اُستادوں کی تعداد میں اس قدر بیشی نہ ہو۔ کہ اُس سے صوبہ کی ضروریات پوری ہو جائیں دنیا کے پردہ پر کوئی تہذیب یافتہ ملک ایسا نہیں ہے جس نے پرائمری سکول کو لازمی اور مفید بنانے کے لئے ٹرینڈ اُستادوں کو موجودگی کو لابدی قرار دیا ہو۔ ہم نارمل سکول قائم کرنیکے مخالف نہیں لیکن ہمیں Platitudes چکنی چپڑی باتیں جو ہم اینگلو انڈین حکام سے سننے کے عادی ہو رہے ہیں ایک ہندوستانی تعلیم یافتہ وزیر کے منہ سے سنکر راحت نہیں ہوئی۔ دوسرا سوال روپیہ کا ہے۔ وزیر صاحب نے فرمایا کہ اگر قانونی کونسل اُنکو کافی روپیہ دیگی۔ تو وہ پرائمری تعلیم کی اشاعت کو اچھا دکھا دیں گے۔ سوال اگر مگر کا نہیں سوال یہ ہے کہ وزیر تعلیم نے کیا سکیم بنائی ہے۔ جس کے ذریعہ سے ضروری روپیہ حاصل ہو۔ تعلیم کو اشاعت دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک ایسی سکیم بنائی جائے۔ جس میں پرائمری تعلیم ہمارے صوبہ میں لازمی قرار دیدی جائے اور

اور اُس کے لئے روپیہ کا مطالبہ گورنمنٹ اور پبلک سے کیا جائے اور ساتھ ہی واضح طور پر تدبیریں Definite Plans روپیہ کے حاصل کرنے کی کی جائے۔ اگر انگریزی تجارت کو ترقی دینے کے لئے ریلوے سڑکوں کی ضرورت ہے اور اس کے لئے یوں روپیہ کا قرضہ لیا جا سکتا ہے تو پرائمری تعلیم اہل ملک کے لئے اس سے بہت زیادہ ضروری ہے اور اس کے لئے قرض لینے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ کیا وزیر تعلیم ہم کو بتائیں گے کہ اُنھوں نے پرائمری تعلیم کو لازمی بنانے کے لئے کوئی اسکیم تیار کی اس کے لئے مناسب خرچ کا اندازہ کیا اور گورنمنٹ کو تبلایا کہ کس طرح وہ روپیہ مہیا کیا جا سکتا ہے۔ ہر ایک ضلع کی ضروریات کے مطابق یہ سکیم بنانی چاہیے اُن مقامات کا تعین ہونا چاہیے جہاں سکول بنائے جائیں یا بنائے جانے چاہئیں۔ اس کے علاوہ تعلیم کا کورس بھی مقرر کیا جائے اور روپیہ کا انتظام کیا جائے۔ ان تینوں امور کے متعلق وزیر تعلیم نے کوئی روشنی نہیں ڈالی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے پاس ابھی کوئی تعین شدہ سکیم نہیں ہے اور نہ کوئی پروگرام ہے

وزیروں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی ہستی کو ضروری اور مفید ثابت کرنیکے لئے ہمکو بتائیں کہ وہ اب کیا کر رہے ہیں جو اُنکی تقرری سے پہلے نوکر شاہی نہیں کرتی تھی۔ اور کس طرح اونھوں نے اصول وانتظامی پہلوؤں میں اپنے اپنے محکمہ جات میں نئے طریقے اختیار کئے ہیں جس سے ہمکو یہ کہنے کا موقع ہو کہ نوکر شاہی کی نسبت وزرا کا انتظام بہتر ہے

کیا یہ امر درست نہیں ہے کہ بجائے اسکے کہ ابتدائی تعلیم پر روپیہ خرچ کیا جائے وزیر صاحب ایسے مقامات میں ہائی سکول کھلوا رہے ہیں۔ جہاں نئے ہائی سکولوں کی قطعی ضرورت نہیں۔ کیا یہ امر درست نہیں ہے کہ رہتک میں جہاں آگے ہی قریباً چار ہائی سکول موجود ہیں ایک نئے ہائی سکول کو امداد دی گئی ہے۔ جو جاٹ نیشنل سکول کے مقابلہ میں کھولا گیا ہے۔

سکنڈری و یونیورسٹی تعلیم کے متعلق بھی وزیر صاحب کے بیان میں کوئی جملہ ایسا نہیں

جس سے ہم کو یہ نتیجہ نکالنے کا موقع ملے کہ ہمارے وزیر صاحب نے اس مشکل مضمون پر
کوئی خاص توجہ دی ہے سارے انٹرویو میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو ہم کو یہ امید دلائے
کہ وزیر صاحب کوئی ٹیکنیکل کالج یا انسٹی ٹیوٹ کھولنے کی فکر میں ہیں جو خیالات اُنھوں نے
ظاہر کئے ہیں۔ اُن میں موجودہ تعلیم کے نقص تسلیم کئے گئے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ
اُنکو دور کرنے کے لئے کیا کرنا مقصود ہے۔ کہا گیا ہے کہ صاحب ڈائرکٹر اس مضمون پر
غور کر رہے ہیں۔ صاحب ڈائرکٹر تو ۲۰ سال سے اس محکمہ کے چارج میں ہیں اور ہمیشہ یہ سوچتے
رہتے ہیں کہ کس طرح اسکو ترقی دیجائے۔ ہم تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہمارے وزیر صاحب نے اس
بارہ میں کہاں تک اپنے دماغ کو تکلیف دی ہے۔ اور اُسکا نتیجہ کیا ہوا۔ تعلیم ہمارے لئے نہایت
ضروری ہے۔ اس پر ہماری ملکی ترقی کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے اور ہمارا یہ یقین ہے کہ
ریفارم سکیم سے اس ضروری کام میں ملک کو کوئی قابل قدر مدد نہ ملے گی۔ انتظامیہ محکمہ جات
کے اخراجات میں اس قدر بیشی ہو گئی ہے کہ تعلیم جیسے ضروری کام کے لئے کافی روپیہ بہم
پہنچانا ناممکن ہے۔ روپیہ دو طرح سے آسکتا ہے۔ موجودہ محکمہ جات میں کفایت کرنے سے
جو ناممکن ہے۔ نئے ٹیکس لگانے سے جس کے لئے ملک تیار نہیں۔ ایسی صورت میں میری
رائے میں ایک دیانتدار وزیر کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ اپنی سکیم پیش کر کے پبلک پر یہ ظاہر
کر دے کہ موجودہ انتظام میں اس سکیم کا عمل میں لانا ناممکن ہے۔ تاکہ پبلک اُسکو اس کی ناکامیابی
کا ذمہ دار نہ ٹھہرائے۔ ہم کو وزیر تعلیم کی مشکلات کے ساتھ دلی ہمدردی ہے اور ہمارا یقین
ہے کہ فنانس کی موجودہ حالت میں وہ کوئی قابل قدر کام نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں
بہتر ہے کہ ہمارے وزرا معمولی باتونسے Platitudes سے پبلک کو خوش کرنے کی
کوشش نہ کریں۔ بلکہ حوصلہ وہمت سے اپنی مشکلات کو پبلک کے سامنے پیش کر کے
یہ بتا دیں کہ اگر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس میں اُنکا کچھ قصور نہیں۔ ہم اس سے زیادہ
اُن سے امید نہیں رکھتے۔

(۲) وزیر تعلیم کے پروگرام کا دوسرا حصہ متعلقہ لوکل سلف گورنمنٹ ہے اس میں وزیر صاحب نے خاص پروگرام کا ذکر کیا ہے۔ گاؤں میں پنچائتیں اور چھوٹے قصبات میں انتخاب سے میونسپل کمیٹیاں بنانے کی امید دلائی ہے۔ عام میونسپل قانون میں بھی تبدیلی کا وعدہ کیا ہے جب تک ان قوانین کا مسودہ شائع نہ ہو۔ ہم اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔

(۳) گوردوارہ بل کے متعلق وزیر صاحب کا بیان نہایت ہی ناقابل اطمینان ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کے بنانے اور پھر اسکو داخل دفتر کرنے میں کسی اصول کی پیروی نہیں کی گئی۔ میں کسی دوسری جگہ اسکے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں وزیر صاحب کے بیان نے اس مضمون پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اکالیوں کے ساتھ گورنمنٹ کا سلوک

(۱) کیا کوئی شخص اس امر پر روشنی ڈال سکتا ہے کہ پنجاب گورنمنٹ جو اپنے آپکو بیسیوں دفعہ سکھوں کی خاص مائی باپ بتلا چکی ہے۔ وہ کیوں اس وقت اکالیوں کے ساتھ ایسی سختی کر رہی ہے

(۲) کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ تمام پولیٹیکل یا نیم پولیٹیکل مقدمات انتظامیہ کونسل کی منظوری سے چلائے جاتے ہیں جس کے ممبر سردار سندر سنگھ مجیٹھیہ ہیں۔ کیا یہ بھی امر واقعہ نہیں کہ محکمہ پولیس بھی سردار صاحب کے ماتحت ہے۔ کیا یہ بھی امر واقعہ نہیں ہے کہ محکمہ جیل بھی ایک دیسی وزیر کے ماتحت ہے۔

(۳) کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ جو پولیٹیکل مقدمات اکالیوں کے برخلاف چلائے گئے ہیں وہ سردار سندر سنگھ صاحب کی رائے سے چلائے گئے ہیں کیا سردار صاحب اکالی جتھہ کو ملک اور قوم کیلئے ایک خوفناک گروہ سمجھتے ہیں۔

(۴) کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ سردار سندر سنگھ صاحب ممبر کونسل ہونے سے

پہلے پربندھک کمیٹی کے ممبر اور کچھ عرصہ تک پریزیڈنٹ رہے اور ان کے عہد میں بھی اکالیوں نے کئی گوردواروں پر قبضہ کیا اور کمیٹی مذکور نے اُس قبضہ کو تسلیم کرکے اُن گوردواروں پر قبضہ کیا اور کمیٹی مذکور نے اُس قبضہ کو تسلیم کرکے اُن گوردواروں کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لیا

(۵) کیا یہ امر واقعہ ہے کہ اکالیوں نے گوردواروں پر قبضہ کرکے تمام گوردواروں کو پربندھک کمیٹی کے حوالہ کردیا اور کمیٹی مذکور نے نہایت شوق سے اُن گوردواروں کو سنبھال لیا۔ اور اُنکا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا؟ وہ گوردوارے کون کون سے تھے؟

(۶) کیا کوئی شخص اِس امر پر روشنی ڈالے گا کہ آیا کبھی سردار ہربنس سنگھ صاحب اٹاری والے نے یا اُنکی پارٹی نے کوئی رزولیوشن پربندھک کمیٹی میں ایسا پیش کیا جس سے اکالیوں کو گوردواروں پر قبضہ کرنے سے روکا گیا؟ اگر اِس وقت تک پربندھک کمیٹی اور شرومنی کمیٹی اکالیوں کے قبضوں کو تسلیم کرتی رہی اور اُنکو اسی طرح اپنے زور کے ساتھ قبضہ لینے کے لئے حوصلہ دیتی رہی ہے تو اب وہ سردار صاحبان جو اپنے آپکو پنجاب کے سکھوں کے لیڈر کہتے رہے ہیں کیوں خاموش بیٹھے ہیں اور اُس سختی کے برخلاف جو اکالیوں کے ساتھ ہورہی ہے کیوں آواز نہیں اُٹھاتے۔

(۷) جیل خانہ میں جو سلوک اکالیوں کے ساتھ کیا جارہا ہے کیا اُسکی کوئی خاص وجہ ہے۔ کیا کسی وزیر یا ممبر کونسل نے اِس بارہ میں ذاتی تحقیقات کی تکلیف گوارا کی کیا اُنھوں نے جیل خانہ میں جاکر دیکھا کہ اکالیوں کی شکایات بجا ہیں یا بیجا؟ اور اگر بجا ہیں تو اُنکو دور کرنے کے لئے کوئی کارروائی کی گئی۔ دیسی ممبران گورنمنٹ کا فرض ہے کہ ان سوالات کا جواب دے کر پبلک بدظنی کو جو پھیل رہی ہے دور کریں۔ ورنہ ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ تمام اس بدسلوکی کی ذمہ دار ہیں جو اِس وقت اکالیوں کے ساتھ کی جارہی ہے۔

(۸) کیا کوئی دیسی ممبر گورنمنٹ یہ بتائے گا کہ کرپانوں کی لمبائی کی نسبت کسی قاعدہ کے مقرر کرنے سے گورنمنٹ کے رعب داب میں فرق آئے گا۔ یہ بتایا نہیں جاتا کہ کتنی

لمبی کرپان رکھنی جائز ہے اور کتنی ناجائز۔ مگر مقدمات فوجداری چلائے جا رہے ہیں اور ہر ایک مجسٹریٹ صاحب رائے خود فیصلے دیتا ہے۔ یہ نادر گردی تو زار روس کے عہد میں بھی نہ تھی ان بدقسمت اکالیوں کو یہ بتلانے میں کیا ہرج ہے کہ کرپان کی لمبائی قانوناً اس قدر ہونی چاہیئے۔

ریفارم سکیم کی کامیابی وناکامی کا ششماہی بیلنس شیٹ

پنجاب میں اسکے نتائج

ریفارم سکیم کو عمل میں آئے ابھی چھ ماہ ہوئے ہیں۔ اس قلیل عرصہ میں اُس کی نسبت رائے زنی کرنا ابھی قبل از وقت ہے۔ مگر چونکہ اسکے حامی بہت ڈینگیں مارتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اسلئے مختصر طور پر اُس پر ریویو کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔

ہماری پہلی شکایت ریفارم سکیم کے برخلاف یہ ہے کہ اُس سے گورنمنٹ کے عہدیداروں کی فہرست میں ایک غیر ضروری اضافہ ہو گیا ہے جس سے خرچ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے اور نیز نوکر شاہی کی طاقت اختیارات میں ایک قابل تعداد اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ امر نوٹ کے قابل ہے کہ اس بارے میں لارڈ سڈنہم کی شکایت جو انھوں نے ہوس آف لارڈز میں کی بالکل بجا ہے اور ہمارے خیالات کا اظہار کرتی ہے اس ملک کی گورنمنٹ میں سب سے بڑا امر قابل اصلاح یہ ہے کہ سرکاری عہدیداروں اور ملازموں کی تعداد میں اور انکی تنخواہوں میں کمی کی جائے۔ دنیا کے پردہ پر کوئی دوسرا ملک ایسا نہیں ہے جس میں سرکاری عہدے داروں اور ملازموں کی تعداد میں عدد زیادہ اور انکی تنخواہیں اس قدر بڑی ہوں جیسی کہ اس ملک میں۔ حالانکہ متحدہ امریکہ میں وزیروں کی تنخواہ بارہ ہزار ڈالر ہے جو چھتیس ہزار روپیہ کے برابر ہوتی ہے۔ حالانکہ اُس ملک میں اشیاء ضروری کی قیمت بمقابلہ اس ملک

کے قریباً ۔ہ گنی زیادہ ہے۔ گویا جو کچھ ہم اس ملک میں ۱۲ ہزار روپیہ سے خرید سکتے ہیں اسکے لئے امریکہ میں قریباً ہزار ڈالر خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ ہندوستان میں ماتحت ملازمان کی تنخواہ کے مقرر کرنے میں اس اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہے مگر افسران بالاتر کی تنخواہوں کے مقرر کرتے وقت اس کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ ریفارم سکیم نے اس خرچ میں نہایت ناواجب بیشی کی ہے۔ اس وقت اس صوبہ کے گورنر کی کونسل کے دو ممبر فی کس پانچ ہزار روپیہ تنخواہ پاتے ہیں اور دو وزیر بھی اسی قدر تنخواہ پاتے ہیں۔

علاوہ اسکے سکرٹریاں۔ پریزیڈنٹ کونسل۔ دیگر ملازمان کی تنخواہوں اور نیز سفر خرچ وغیرہ کو شامل کر کے ایک رقم کثیر بن جاتی ہے۔ جن کا بار اس صوبہ پر پڑے گا۔ اس کے مقابلہ میں نوکر شاہی کی تعداد میں اور آنکی تنخواہوں میں نہ صرف کمی نہیں ہوئی بلکہ قریباً ہر ایک محکمہ میں روز بروز زیادتی ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے لوگوں کا مطالبہ یہ تھا کہ اس گورنمنٹ کا خرچ کم کیا جائے۔ مگر ریفارم سکیم نے اس کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے پہلے دو فنانشل کمشنر صاحبان تھے۔ جنکو ۳۵۰۰ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اب ایک ممبر مال ایزاد ہو گئے ہیں۔ جنکو علاوہ دو فنانشل کمشنر صاحبان کے پانچ ہزار تنخواہ ملتی ہے شاید اس بیشی خرچ کا مضائقہ نہ ہوتا۔ اگر ہم کو صوبہ کے انتظام و حکومت میں کچھ فائدہ نظر آتا۔ مگر پنجاب میں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ برعکس ہے۔

(۱) پنجاب گورنمنٹ میں تین ہندوستانیوں کی موجودگی اس بات کی گارنٹی ہونی چاہئے تھی کہ نوکر شاہی کے اختیارات میں کچھ کمی ہوگی۔ اور آنکی زیادتیاں کسی قدر کم ہو جائیں گی۔ مگر معاملہ دگرگوں ہے۔ نوکر شاہی اور پولیس کے زیادتیاں بے قاعدگیاں اور بیہودگیاں پہلے سے ہی زیادہ ہیں۔ پولیس کے محکمہ میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہے اور باوجود کھلی شکایتوں کے گورنمنٹ کوئی نوٹس نہیں لیتی۔ چودھری چھوٹو رام رہتک کی پولیس کے متعلق کئی چٹھیاں اخبارات میں لکھ چکے ہیں۔ مگر گورنمنٹ پنجاب نے ابھی تک

کوئی کارروائی نہیں کی۔ لودیانہ وکانگا کے مقدمات اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ سرکاری رعب داب پرسٹیج کے ڈھکوسلے میں بجائے کمی ہونے کے زیادتی ہو رہی ہے اور یہ خیال روز بروز ترقی پر ہے۔ اپنے ملازمان کی مدد کرنا گورنمنٹ کا فرض ہے۔ خواہ پبلک کچھ ہی کہے اور کچھ ہی لکھے۔

سر مائیکل اڈوائر کے عہد حکومت کے آخری چھ ماہ چھوڑ کر جس قدر تشدد ان گزشتہ چھ ماہ میں ہوا۔ اس کی نظیر شاید پنجاب کی تاریخ میں اور دوسری نہیں۔ لاہور کے ضلع کی افسری پر ایسا شخص تعینات ہے جو قانون کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ اسکے مجسٹریٹ بھی معزز پولیٹیکل ملزمان کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں۔ وہ ہائی کورٹ و حکام بالا کے احکام کے برخلاف ہے۔ باوجود امن امان کے پنجاب کے دارالحکومت اور چار اضلاع میں ایکٹ مغویانہ جاری ہے۔ جسکے لئے کوئی وجہ سوائے اسکے نہیں ہو سکتی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحبان اپنے آپ میں اس قدر قابلیت نہیں پاتے کہ وہ اپنے اضلاع میں بغیر اس قانون کی مدد کے انتظام قائم رکھ سکیں چاہئے تو یہ تھا کہ ان صاحبان کو ان اضلاع سے تبدیل کر کے یہ اضلاع ایسے افسران کے سپرد کئے جاتے جو اپنی لیاقت سے انتظام کو قائم رکھتے۔ مگر برعکس اسکے ان افسران کی نالیاقتی اُن کی مضبوطی کا ثبوت بن رہی ہے اور تین دیسی ممبران گورنمنٹ نہ صرف خاموش ہیں بلکہ نہایت دیدہ دلیری سے اس پالیسی کے حامی معلوم ہوتے ہیں ہر ایک ضلع سے افسران ضلع کی شکایتیں آرہی ہیں۔ یا تو یہ دیسی ممبران گورنمنٹ کانوں سے بہرے ہیں یا وہ نوکر شاہی کے ساتھ متفق الرائے ہیں ہر دو صورتوں میں اُنکی تقرری سے پنجاب کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچ رہا ہے وقت ہے کہ پنجاب کی پبلک یہ مطالبہ کرے کہ یا تو یہ وزیر صاحبان اپنی پالیسی کے لئے جوابدہی کریں۔ ورنہ مستعفی ہو جائیں فی الحال تو ہم کو روٹی کے بجائے پتھر مل رہے ہیں۔

(۲) گوردواروں کے متعلق پنجاب گورنمنٹ کی غلطیاں اس قابل ہیں کہ اگر اس

صوبہ میں پارلیمنٹری حکومت ہوتی تو گورنمنٹ کو فوراً مستعفی ہونا پڑتا۔ گوردوارہ بل کی ساری تاریخ یہ تبلاتی ہے کہ پنجاب گورنمنٹ میں نہ تو قانونی لیاقت کی فراوانی ہے اور نہ انتظامی لیاقت کی۔ گوردوارہ بل کا مسودہ اس قابل تھا کہ اس کے بنانے والے پر ہمیشہ کے لئے قانونی نالیاقتی کی مہر لگا دیتا۔

اس بل کی پالیسی اور اس کی زبان دونوں کی دونوں ایسی ناقص تھیں کہ خود گورنمنٹ پنجاب نے عملی طور پر اسکی بیہودگی کا اعلان کر دیا۔ اگر حقیقت میں موجودہ قانون گوردوارہ کے انتظام کے نقص دور کرنے کے لئے کافی تھا تو کیا یہ ہم پوچھ سکتے ہیں کہ پنجاب گورنمنٹ نے کن عقلمندوں کی صلاح سے گوردوارہ بل کو انٹروڈیوس کیا۔ اور اگر موجودہ قانون کافی نہیں ہے تو پھر اب اس مسودہ کو واپس کیوں لیا گیا۔ گوردوارہ تحریک کی ساری تاریخ اور جسطرح گورنمنٹ نے اسکے ساتھ سلوک کیا وہ اس گورنمنٹ کی کوتاہ اندیشی اور نالائقی کی کافی شہادت ہے جو سلوک اس وقت گورنمنٹ اکالیوں کے ساتھ کر رہی ہے۔ وہ نہایت نفرت کے قابل ہے اور جن حالات میں گورنمنٹ اپنے آپکو اس سلوک کرنے کے لئے حق بجانب سمجھتی ہے یہ حالات خود گورنمنٹ کے پیدا کردہ ہیں۔ اس پالیسی کی ناکامیابی اور بیہودگی کے لئے ہندوستانی ممبر اور ہندوستانی وزرا انگریزوں کے مقابلہ میں زیادہ ذمہ دار ہیں۔ اور انکا فرض ہے کہ وہ اپنی پالیسی کو یا تو ڈیفنڈ کریں یا استعفا دیں یا تو یہ ہندوستانی ممبران گورنمنٹ پبلک جذبات سے واقف نہ تھے اور یا انھوں نے گورنمنٹ کو ضروری و مناسب مشورہ نہیں دیا۔ ہم باور نہیں کر سکتے کہ اگر یہ تینوں صاحب صاف دلی سے پبلک انتظام اور پبلک جذبات کا خیال کرتے ہوئے باہمی مشورہ سے کوئی پالیسی تعین کرتے تو انکو کوئی راستہ ایسا نہ ملتا جس سے انکو اکالیوں کے ساتھ وہ سختی کرنیکی ضرورت نہ پڑتی جواب کی جا رہی ہے۔ ہماری رائے ہے کہ یہ غلطیاں خاص مقاصد کے لئے کی گئیں لیکن قبل اسکے کہ ہم اپنی رائے دیں۔ ہم پبلک کی طرف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ پنجاب

گورنمنٹ کے دیسی ممبران جو اس ریفارم سکیم کے طفیل اپنی گدیوں پر براجماں ہیں۔ اپنی پالیسی کا پبلک ڈیفنس پیش کریں ورنہ یہ بات اور بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جائے گی کو پنجاب میں ریفارم ہوئی ہے اور اُسکے نتائج بہت بُرے ہوئے ہیں۔

ریفارم سکیم سے قبل ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گورنمنٹ اپنی طرز عمل سے غلطیاں کرتی ہے۔ مگر اب ان دیسی ممبران کی موجودگی میں یہ عذر نہیں کیا جاسکتا ہماری رائے میں لارڈ سڈنہم کی یہ شکایت بالکل بجا ہے کہ ریفارم سکیم سے گورنمنٹ کے خرچ میں ناواجب بیشی ہوئی ہے اسلئے نوکر شاہی کا عنصر گورنمنٹ میں بڑھ گیا ہے۔ نوکر شاہی آج اپنے آپ کو زیادہ طاقت ور پاتی ہے۔ کیونکہ دیسی ممبران کی پالیسی نے اُن کے ہاتھوں کو مضبوط کر دیا ہے۔ غلطیوں کا مضائقہ نہیں۔ ہم کو غلطیوں کے لئے تیار رہنا چاہیئے لیکن (۱) اول تو غلطیوں کا اعتراف ہونا چاہیئے (۲) آیندہ کے لئے اس قسم کی غلطیوں کی روک تھام ہونی چاہیئے (۳) پبلک رائے کی زیادہ وقعت ہونی چاہیئے۔ کونسل گورنمنٹ کے یہ معنے ہیں کہ اُسپر پبلک رائے کا زیادہ اثر ہو۔ اُسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر ایک مجسٹریٹ ضلع اپنے آپ کو نادر شاہ تصور کرکے جو چاہے حکم دے اور دیسی وزرا یا ممبر صاحبان ہاں میں ہاں ملاویں یا خاموش رہیں خاموشی کی پالیسی بزدلی ہے اور شرکت کی پالیسی عام رائے کے خلاف ہے۔ اس مضمون پر میں پھر عنقریب لکھونگا۔

ریفارم سکیم کے سر سہرا

پنجاب اور دیگر صوبہ جات میں ریفارم سکیم نے کیا گل کھلائے اسکا ذکر ہم کل کر چکے ہیں آج ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ ریفارم سکیم سے ہندوستان کی مالی حالت پر کیا اثر ہوا۔ گذشتہ دو سال میں جو مالی نقصان ہندوستان کو گورنمنٹ آف انڈیا اور سکرٹری آف سٹیٹ کی مالی پالیسی سے ہوا ہے۔ وہ شاید انگریزی عملداری کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتا جو وقت

میں فروری ۱۹۲۰ء میں ہندوستان واپس آیا تھا۔ پونڈ کی قیمت قریباً سات یا آٹھ روپے تھی۔ اسکے بعد گورنمنٹ آف انڈیا نے دس روپے مقرر کی۔ جواب تک سرکاری قیمت ہی مگر پونڈ کی بازاری قیمت سترہ یا اٹھارہ روپیہ ہے۔ جو آجتک پونڈ کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی جب تک پونڈ کی قیمت سستی رہی گورنمنٹ آف انڈیا نے کروڑوں روپیہ کی ہنڈیاں فروخت کیں۔ جنسے سستی قیمت پر کروڑہا روپیہ انگلستان کو منتقل کیا گیا۔ ہندوستانی سوداگروں نے اسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ مگر گورنمنٹ نے اسکی ذرا پرواہ نہ کی گذشتہ دو سال میں گورنمنٹ آف انڈیا کی کرنسی پالیسی نے لاکھوں ہندوستانیوں کو تباہ کر دیا اور انکو امیر سے مفلس بنا دیا۔ اگر کسی پارلیمنٹری ملک میں کوئی مالی وزیر ایسا کرتا تو پبلک اسکو استعفا دینے پر مجبور کر دیتی۔ مگر ہندوستان کی کونسلوں میں ماڈریٹوں نے آنریبل مسٹر ہیلی کی تعریف کے پل باندھ دیئے ان کونسلوں کے اجلاس کے دوران میں ایک بھی تقریر ایسی نہ ہوئی جو کسی صورت میں مرحوم گوکھلے۔ پنڈت مدن موہن مالوی۔ دیجے راگھو چاریہ یا فیروز شاہ کی تقریروں کے ہم پایہ کہی جا سکتی۔ یہ کونسلیں ہندوستانیوں کو گورنمنٹ کی کرنسی پالیسی کے تباہ کن نتائج سے محفوظ کرنے میں کلیۃً ناکام رہیں۔ اس پر اب طرہ یہ ہے کہ وزیر ہند نے انگلستان میں ایک قرضہ لیا۔ جس کا سود سات فیصدی سالانہ منظور کیا گیا۔ آج تک گورنمنٹ آف انڈیا نے کوئی قرض ہندوستان میں ایسا نہیں لیا جس کا سود (لڑائی کے دوران میں بھی) اس قدر زیادہ دیا گیا ہو۔ غالباً انگلستان میں بھی کبھی کوئی ایسا سرکاری قرض نہیں لیا گیا جس پر اس قدر گراں سود دیا گیا ہو۔ بمبئی کے سوداگروں نے دو تین دفعہ اس زیادتی کے برخلاف اپنی آواز اٹھائی۔ گورنمنٹ نے جواب میں صرف یہ کہدیا کہ ہمکو اس سے کم سود پر قرض ملنے کی امید نہ تھی اور اس لئے ہمنے یہ شرح سود منظور کی۔ ہندوستان کی کونسلیں خاموش ہیں۔ اب انگلستان میں یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ یہ تمام روپیہ جو قرض لیا گیا ہے۔ وہ انگلستان میں انگلستان کے بنے ہوئے سامان کے خرید کرنے پر خرچ

کیا جائے۔ یہ طریقہ ہے جس سے ہندوستان قریباً سو سال سے لوٹا جا رہا ہے۔ انگلستان کو نہ صرف ان قرضہ جات کثیر الرقم کا سود ہندوستان سے ملتا ہے بلکہ جو فائدہ انگلستان کو ان قرضہ جات کے انگلستان میں خرچ کرنے سے ہوتا ہے وہ بے اندازہ ہے۔ انگریزی کارخانہ دار انگریزی دلال۔ انگریزی ساہوکار۔ انگریزی انشورنس کمپنیاں۔ انگریز جہاز راں کمپنیاں وغیرہ سب کی سب ہی اس قدر فائدہ اُٹھاتی ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان کے پلے روپیہ میں سے ۱۲ ارباہ رتنے بھی نہیں پڑتے تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ نئی سکیم کے مطابق انگلستان میں ایک کمشنر مقرر کیا گیا ہے۔ جو گورنمنٹ آف انڈیا کے لئے ضروری سامان خرید کرتا ہے اس نے حال میں کچھ مشینری امریکہ سے خریدی۔ جس پر پارلیمنٹ میں کئی بار اعتراض ہو چکا ہے ابھی حال میں ایک ممبر کے سوال کے جواب میں وزیر ہند نے تسلیم کیا کہ جس وقت قرض اُٹھایا گیا تھا تو یہ مشتہر کیا گیا تھا کہ تمام انگلستان میں خرچ کیا جائے گا اور اُس میں سے ۹ لاکھ پونڈ خرچ ہو چکا ہے۔

گویا اس کے یہ معنے ہیں کہ ایک ساہوکار اول تو ہم کو اپنے مقرر کردہ سود پر قرض لینے کے لئے مجبور کرتا ہے اور پھر وہ روپیہ بھی نقد نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے عوض میں اپنا بنا ہوا اسامان اپنی مقرر کردہ قیمت پر خریدنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔

سر ڈنشا واچا جو ہندوستان کے قابل ترین ماہروں میں سے ہیں وہ بیسیوں دفعہ گورنمنٹ کی ریلوے پالیسی کے برخلاف تحریر و تقریر میں اعتراض کر چکے ہیں۔ یہ قرض بھی ریلوے کی اغراض کے لئے لیا گیا ہم حیران ہیں کہ اس نئی ریفارم سکیم نے اُن پر کیسا جادو پھیلایا ہے کہ اُنھوں نے اس پالیسی کے برخلاف آواز بلند نہیں کی۔ ہمارے دیسی ممبران کونسل اور وزیر قریباً ہر روز عدم تعاون کے برخلاف تقریریں کرتے ہیں اور قوم پرستوں کو جیل میں بھیجنے کے لئے رائے دے رہے ہیں وہ اپنی اس پالیسی پر نازاں ہیں۔ مگر دوسری طرف جو ان کا گھر لٹا جا رہا ہے۔ اُس پر دھیمی سی آواز میں نکتہ چینی کرنے پر قناعت کر رہے ہیں۔ اس

نئی سکیم سے پہلے یہ ماڈریٹ لیڈر ہندوستان کی غربت کا نقشہ کھینچ کر لایا کرتے تھے اور اپنے سامعین کو بھی رلایا کرتے تھے۔ ہمارے بزرگ نوروزجی نے اور رومیش چندر دت نے اس بارہ میں جو خدمات کی ہیں انکا تو ذکر ہی کیا۔ گورنر سہنا بھی گورنر بننے سے پہلے اور مسٹر چنتامنی بھی وزیر بننے سے پہلے ایسا ہی کیا کرتے تھے اور قریباً سارے ماڈریٹ لیڈر اس بارہ میں اپنا فرض نہایت خلوص دل سے بجالاتے تھے۔ مگر اب نئی ریفارم سکیم کے جادو میں مقابلتہً خاموش بیٹھے ہیں۔

ہندوستان اس بوجھ کے نیچے دبا جارہا ہے اور ہندوستانی کاروباری آدمیوں پر انگلستان کے لوگ اور گورنمنٹ بدعہدی کا الزام لگارہی ہے مگر ہمارے یہ لیڈر اب گورنمنٹ کے ممتاز وزیر ہوجانیکے بعد خاموش ہیں یا کم ازکم اپنے فرض کو مناسب طریقہ سے بجا نہیں لاتے۔

انگریز بڑے دانا ہیں وہ ہندوستانیوں کو چند نمائشی چیزیں دیکر اصل تتو کی چیز کو اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں اور اپنے عطیہ جات سے قوم کے سمجھدار حصے کے منہ پر مہر لگا دیتے ہیں۔ جو نئے عہدے اُنھوں نے ہندوستانیوں کو دیئے۔ اس سے ان کا کیا نقصان ہوا یہ خرچ ہندوستانی رعایا کی گردن پر ایزاد ہوگیا۔ گورنمنٹ کی مالی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور ہندوستانی لیڈر ان عہدوں پر ممتاز ہونے کے سبب خوش ہوگئے اور اپنے ہی دوسرے قوم پرست ہموطنوں کی تباہی و بربادی کے اوزار بن گئے۔ ہماری قسمت پر خربوزہ وچھری کی مثال صادق آتی ہے۔ جب تک ہندوستان کو سوراجیہ نہیں ملتا چند ہندوستانیوں کا سرکاری عہدوں پر ممتاز ہوجانا یا کونسلوں کو معمولی قانونی اختیارات مل جانے سے ہمارا کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس قسم کی نیم دلی پالیسی سے ہم کو اور بھی زیادہ نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ صرف احتمال ہی نہیں بلکہ نقصان پہنچ رہا ہے۔ ایک طرف تو گورنمنٹ کی تشدد کی پالیسی دیکھئے۔ دوسری طرف گورنمنٹ کی کرنسی اور مالی پالیسی پر غور کیجئے۔ اور پھر نتیجہ نکالیئے کہ اس ریفارم سکیم سے ہمارے ملک کو کیا فائدہ پہنچا۔ اس پر بھی ہمارے اپنے لیڈر یہ کہتے ہیں کہ اس ریفارم سکیم سے ہندوستانیوں کو کم ازکم صوبجات میں سیلف گورنمنٹ مل گئی۔

کیا ریفارم سکیم کامیاب ہے

ہندوستانی وزراکی پوزیشن

پرادھین سپنے سکھ ناہیں :- یہ ایسی سچائی ہے جس کے ثبوت کی ضرورت نہیں اسکی سچائی کا ثبوت انسان کو ہر روز اپنی زندگی میں اور دوسروں کی زندگیوں میں ملتا رہتا ہے مگر باوجود اسکے بڑے بڑے عقلمند تعلیم یافتہ صاحب دماغ انسان اسی میں راحت سمجھتے ہیں اور اسی کو اپنی زندگی کا تحریکی مرکز جاننے میں خوش ہوتے ہیں۔ قوم پرستوں کا وہ فریق جو اپنے آپ کو ماڈریٹ کہتا ہے وہ جس روز سے گورنمنٹ کا مداح اور مددگار ہوا ہے اور جس روز سے اُسنے دوسرے قوم پرستوں کا ساتھ چھوڑ کر گورنمنٹ کی پناہ لی ہے۔ اُسی روز سے وہ اخلاقی گراوٹ کے راستہ پر ترقی کر رہا ہے۔ ماڈریٹ فریق میں ملک کے بعض برگزیدہ سوچنے سمجھنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی شامل ہیں۔ جنہوں نے مدتوں تک ملک کی خدمت کی۔ ملک ان کی خدمات کا اعتراف کر رہا ہے اور اب بھی اپنے آپ کو انکا زیر احسان مانتا ہے۔ مگر جو اصولی کمزوری انکے طریقہ کام میں اُنکی انگریزی تعلیم و انگریزی نما زندگی سے پیدا ہو گئی تھی اس سے معذور رہو کر جو غلطیاں انھوں نے گذشتہ دو تین سال میں کی ہیں اُنھوں نے اُنکو ایسی پوزیشن میں ڈالدیا ہے جو قابل رشک نہیں ہے۔ ایک سال سے تو وہ اپنے آپ کو گورنمنٹ کا دایاں بازو سمجھنے لگے ہیں اور اُنکی مدد و مشورہ سے گورنمنٹ جو زیادتیاں قوم پرستوں پر کر رہی ہے اسکے وہ ذمہ وار ہیں۔ گورنمنٹ کے ساتھ شامل ہو کر اور اُسکی مدد سے وہ ملک کے مختلف حصوں میں امن سبھائیں وغیرہ بنا رہے ہیں۔ جنکی غرض عدم تعاون کی تحریک کی مخالفت ہے۔ پنجاب میں ماڈریٹ پارٹی نہ تھی۔ صرف چند آدمی جنکی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے ایسے تھے جو اپنے آپکو ماڈریٹ کہتے تھے۔ اگر ماڈریٹ کی یہ تعریف ہے کہ ہر ایک شخص جو عدم تعاون کا مخالف ہے ماڈریٹ ہے تو بیشک اس صوبہ میں چند ماڈریٹ ہیں اور آجکل تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے

ہر ایک شخص جو گورنمنٹ کی خیر خواہی کا دم بھرتا ہے۔ جو اصل میں سوراجیہ کے مخالف ہیں وہ اپنے آپ کو ماڈریٹ کہنے لگے ہے۔ پنجاب میں جو نیشنل لبرل لیگ بنائی جا رہی ہے۔ انکے ممبران میں وہ سرکاری ملازم وہ خطاب یافتگان وہ آنریری مجسٹریٹ اور جی حضوری شامل ہیں۔ جو ہمیشہ سوراجیہ کی مخالفت کرتے رہے اور انکا مذہب افسران گورنمنٹ کی خوشامد ہے۔ لفظ سوراجیہ تو آجکل ہر ایک شخص کی زبان پر ہے۔ کیونکہ خود گورنمنٹ نے اپنی دستاویزات و اعلانات میں اسکا استعمال شروع کر دیا ہے اس لئے ان خوشامدی لوگوں کی بحث یہ ہے کہ سوراجیہ تو ہم بھی چاہتے ہیں۔ مگر ہم سوراجیہ گورنمنٹ کی مہربانی سے اور اسکو خوش کرکے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آج گورنمنٹ لفظ سوراجیہ کا استعمال ترک کر دے اور سوراجیہ کی تحریک کو مجرمانہ قرار دیدے تو ہمیں یقین ہے کہ ان امن سبھاؤں اور نیشنل لبرل لیگ کے ۹۰ فیصدی ممبران گورنمنٹ کے ساتھ ہم آواز ہو جائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے ساتھ ہیں۔ سوراجیہ کی انکو پرواہ نہیں اسلئے اسوقت ملک میں دو ہی پولیٹیکل پارٹیاں ہیں۔ ایک وہ جو فوراً سوراجیہ چاہتی ہے اور جس نے لاچار ہو کر عدم تعاون اختیار کیا ہے۔ یہ پارٹی قوم پرستوں کی پارٹی ہے۔ دوسری پارٹی گورنمنٹ پارٹی ہے۔ جس میں وہ تمام خوشامدی و ماڈریٹ شامل ہیں جو فوری سوراجیہ کے حق میں نہیں اور جو گورنمنٹ کے ساتھ ہیں۔ اسکا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کے افسران و اینگلو انڈین اخبارات اپنی پارٹی کے ممبران سے پورے درجہ کی اطاعت۔ فرمانبرداری اور وفاداری کے امیدوار ہیں اور جب کبھی بھی کوئی ماڈریٹ ہندوستانی جو اپنے آپکو ماڈریٹ بھی کہتے ہیں۔ آزادی سے کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے۔ جو گورنمنٹ کے خلاف ہو تو فوراً اینگلو انڈین اخبارات اسکو کوسنا شروع کر دیتے ہیں۔

چند ہفتے ہوئے صوبجات متحدہ میں لبرل صاحبان کی ایک کانفرس ہوئی تھی جس میں بعض ممبروں نے کسی قدر آزادانہ تقریریں کیں جس سے کئی اینگلو انڈین اخبارات کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اور انھوں نے ماڈریٹوں کو کوسنا شروع کیا جائے تو کل ہمعصر نے ان لبرل صاحبان کے متعلق خاص طور پر درافشانی کی ہے اور انکی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ لوگ عموماً ہوتے

کی طرح وہی باتیں کہتے ہیں جو اُن قوم پرست جنکو اکسٹریمسٹ کہا جاتا کہتے ہیں - اس لبرل کانفرنس نے گورنر یو - پی کی بہت تعریف کی اور اسکو آسمان پر چڑھادیا - عدم تعاونیوں کی بہت مذمت کی مگر ساتھ ہی چند رزولیوشن ایسے بھی پاس کئے جن سے اینگلوانڈین اخبارات ناراض ہوگئے مثلاً ایک رزولیوشن اس مضمون کا تھا کہ جب تک پنجاب کے اُن افسران کو سزا نہ دی جائے جو مارشل لا کے ایام میں پنجابیوں کی بے عزتی کا باعث ہوئے تب تک عدم تعاون کی مخالفت میں کامیابی نہیں ہوسکتی اور بے چینی رفع نہیں ہوسکتی - اس رزولیوشن پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اخبار سول نے ہمارے ماڈریٹ بھائیوں پر بہت کچھ زہر اگلا - اور مارشل لا کے ان قیدیوں کو جو ابھی رہا نہیں ہوئے - بدمعاش - گٹھ کترے وغیرہ ناموں سے یاد کیا - اس کے علاوہ اس نے آنریبل مسٹر شاستری کے برخلاف بھی ایک زہر کا بھرا ہوا آرٹیکل لکھا جس میں انکی تقریروں کو گستاخانہ و نامناسب بتایا گیا جو شاستری صاحب نے ولایت میں کیں - ہمیں یہ نکتہ چینی پڑھکر اپنے ماڈریٹ بھائیوں پر بہت ترس آتا ہے - انکی حالت قابل رحم ہے - اُنھوں نے اپنی قوم کا ساتھ چھوڑا اور گورنمنٹ کا ساتھ دیا - مگر گورنمنٹ کے گرگے اُن سے خوش نہ ہوئے -

نہ صرف پنجاب میں بلکہ یو - پی اور دیگر صوبجات میں بھی ہم یہ نظارہ دیکھتے ہیں کہ کانگرس کے جو لیڈر وزیر ہوگئے ہیں اور جن میں سے اکثر گورنمنٹ کے ساتھ نہایت سخت زبانی سے پیش آتے تھے - وہ اب بھیڑوں کی طرح سے اینگلو انڈین پالیسی کے مددگار اور حامی ہیں اور دفتری حکومت کے ضروری جزو بنے ہوئے ہیں - ہم کو تاحال انکی پالیسی میں اور نوکرشاہی کی پالیسی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا - پنجاب کے وزراہی دفتری حکومت کے پرزے ہیں - فرق صرف یہی کہ انکی جو واقفیت - دوستی اور رسوخ صوبہ میں ہے - اسکو وہ نوکرشاہی کے فائدے کے لئے استعمال کرتے ہیں نوکرشاہی شملہ کی چوٹیوں پر بیٹھی ہوئی میدان کے انسانوں کو نظر حقارت سے دیکھتی تھی - انکو لوگوں کے اندرونی حالات معلوم نہ تھے - وہ جاکے بھائی بندوں سے ملتے جلتے نہ تھے - یہ دیسی وزراہمارے اندرونی حالات سے واقف ہیں - انکی واقفیت

ہندوستانیوں سے ہے۔ وہ اپنے ہندوستانی بھائیوں کی کمزوریوں سے واقف ہیں۔ انکو یہ معلوم ہے کہ پانی کہاں مرتاہے اور وہ اپنی اس واقفیت کو نوکرشاہی کے فائدے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ایک کثیر التعداد نوجوانوں کو لالچ دیکر اپنی آزادی سے گرایا جارہا ہے۔

پنجاب میں اسوقت تک جو کچھ دیکھا گیا ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ پنجاب میں ریفارم سکیم سے نہ صرف کچھ فائدہ نہیں ہوا بلکہ صریحاً نقصان ہوا ہے۔

وزراء کے تقرر سے پہلے گورنمنٹ آف انڈیا اور سکرٹری آف اسٹیٹ نے اعلان کیا تھا کہ لوکل سلف گورنمنٹ کو فوراً نوکرشاہی کے شکنجہ سے آزاد کر دیا جائے گا۔ اسکے کئی ذریعہ بتائے گئے تھے مثلاً (۱) یہ کہ میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں سے نامزدگی آزادی جائے گی یا بہت کم کردی جائے گی (۲) ان لوکل جماعتوں کے اختیار میں بیشی کی جائے گی (۳) ان پر اس وقت جو پابندیاں عاید ہیں۔ انکو کم کیا جائے۔

(۱) پنجاب میں کئی جگہ غیر سرکاری پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹیوں کے ہو گئے ہیں۔ لیکن کثیر جنگ وجدل کے بعد۔ شاید کسی جگہ بھی سرکاری پریزیڈنٹ نے اپنی جگہ بغیر مخالفت کے نہیں چھوڑی۔ سرکاری پریزیڈنٹ رکھنے کے لئے ہر جگہ جدوجہد کی گئی ہے اور تقریباً ہر مقام پر غیر سرکاری پریزیڈنٹ کا رزولیوشن صرف کثرت رائے سے منظور ہوا ہے۔ لودھیانہ کے ڈپٹی کمشنر نے قرار دیا ہے کہ غیر سرکاری پریزیڈنٹ کا رزولیوشن کثرت رائے سے پاس نہیں ہو سکتا۔ اتفاق رائے سے پاس ہونا چاہیئے تھا۔ ہم کو ابتک یہ علم نہیں ہے کہ یہ حکم کون سے قانون کی رو سے دیا گیا ہے جہانتک ہمارا علم ہے کوئی قاعدہ یا کوئی قانون ایسا نہیں ہے اس حکم کو کئی مہینے ہو گئے بلکہ شاید اب کئی مہینے ہو گئے ہیں اس پر اخبارات میں باقاعدہ اعتراض کیا گیا لیکن جو وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ کے چارج میں ہیں انھوں نے اسپر کیا نوٹس لیا۔ اسکا ہمکو علم نہیں اب بھی مختلف کمیٹیوں میں نہایت زور شور سے کوشش ہو رہی ہے کہ غیر سرکاری پریزیڈنٹ نہ ہوں۔

(۲) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزیر تعلیم کو نامزدگی کے ساتھ بہت پیار ہے کیونکہ اس سے اُنکو لوگوں کو ممنون احسان کرنیکا موقع ملتا ہے۔ وہ نامزدگی کے ذریعہ اُن لوگوں کو ممبر بناتے ہیں جو انتخاب میں ناکام رہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب کے اصول کی چنداں وقعت اُن کے دل میں نہیں۔ ان نامزدگیوں میں وہ خاں بہادروں کی خدمات کی ویسی ہی قدردانی کرتے ہیں جیسی کہ نوکر شاہی کیا کرتی تھی۔ اب تک اس آٹھ ماہ کے عرصہ میں ایک بھی ایسی نامزدگی نہیں ہوئی جسکو متبدل عام کہا جا سکے اُن کی علیت کی آزادروی قانون پنچایت کے مسودے سے بھی ظاہر ہوتی ہے وہ پنچایت کے دیہات میں ایسی پنچایتیں بنانے کے حق میں ہیں جنکے ممبروں کی نامزدگی ڈپٹی کمشنراں کیا کریں گے۔

(۳) و (۴) کے متعلق کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی جس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکیں کہ وزیر تعلیم کا منظر نگاہ وسیع ہے اور اُن کی نیت یا منشا ان لوکل جماعتوں کو نوکر شاہی کے پنجہ سے آزاد کرانے کا ہے۔

محکمہ تعلیم کے متعلق اب تک جو تقاریر وزیر تعلیم نے کی ہیں یا احکامات صادر کئے ہیں اُن میں اور محکمہ تعلیم کی سابقہ پالیسی میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا اس وقت تک تعلیم کے میدان میں وزیر تعلیم نے کچھ کر کے نہیں دکھایا اور جو افواہیں اُنکی دست اندازی کی مشہور ہیں۔ وہ اُنکی طبیعت کا روشن پہلو نہیں دکھاتیں۔

وزیر زراعت نے اپنے محکمہ جات کو کہاں تک مقبول عام بنایا ہے اس کا بھی ابھی ہمیں کچھ علم نہیں۔

دیسی ممبران اگزکٹیو کونسل کی کارروائی کا اندازہ اگر اس تشدد سے لگایا جائے جو پنجاب کے مختلف حصوں میں ہو رہا ہے تو اس سے بھی ریفارم سکیم کے حق میں رائے قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہمارے صوبہ کا حال ہے۔

عام طور پر ریفارم سکیم کے متعلق اس وقت دو رائیں ہمارے سامنے ہیں ایک تو

سر ائیکل اوڈوائر کا مضمون مطبوعہ رسالہ فورٹ نائٹلی ریویو ہے جس میں اس نے اپنے پرانے خیالات ڈائر کی دو عملی ہے کے برخلاف ظاہر کئے ہیں اور یہ بتلایا ہے کہ موجودہ کونسلیں اور وزیر ہندوستان کے لوگوں کے صحیح نمایندے نہیں ہیں۔ اُس نے ہندسوں سے ثابت کیا ہی کہ کونسل کے انتخابات میں بہت کم رائے دہندگان نے حصہ لیا۔ اور اس واسطے ان لوگوں کو ملک کا نمایندہ کہنا غلط ہے۔ اس رائے سے ہم کو اتفاق ہی۔ گو اسکے باقی مضمون اور اس کی بقیہ راؤں سے ہمیں کبھی اتفاق ہو ہی نہیں سکتا پالیٹکس میں اور خصوصاً ہندوستانی پالیٹکس ہم اور سر مائیکل اوڈوائر قطبین پر ہیں۔

دوسرا مضمون جو ہمارے سامنے ہے۔ وہ انڈین سوشیل ریفارمر مطبوعہ ۴ اگست کا لیڈنگ آرٹیکل ہے جس میں قابل ایڈیٹر نے اس سارے مضمون پہ ریویو کیا ہے۔ انڈین سوشیل ریفارمر ماڈریٹ اخبار ہے اور اس کا فاضل اڈیٹر مہاتما گاندھی کی عدم تعاون کی پالیسی سے اختلاف رائے رکھتا ہے۔ اس نے اس لیڈنگ آرٹیکل میں یہ ثابت کیا ہے کہ ریفارم سکیم بالکل ناکامیاب رہی ہے۔ اس کی رائے میں پہلی آزمائش اس سکیم کی وہ رزولیوشن تھا جس کے ذریعہ سے آنریبل مسٹر شاستری نے یہ کوشش کی تھی کہ جلیاں والے باغ جیسے واقعات کا ہونا ناممکن ہوجائے اور جس میں گورنمنٹ نے ان کی مخالفت کی۔

دوسری شہادت جو وہ اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتا ہے۔ اخبار لیڈر الہ اباد کا وہ آرٹیکل ہے۔ جو حال میں ہی اخبار مذکور نے ایک وقت سعید میں اپنے صوبہ کی گورنمنٹ کی تشدد کی پالیسی کے خلاف لکھا ہے۔ اس آرٹیکل کے چند فقرے نقل کرکے اخبار ریفارمر یہ رائے قائم کرتا ہے کہ غالباً یو۔ پی کے دیسی وزراء کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ اُس کا خیال ہے کہ مسٹر چنتامنی اور جگت نرائن اصل میں اس پالیسی کے خلاف ہیں۔ گو مسٹر چنتامنی نے تو حال میں ہی یہ بیان کیا ہے کہ صوبہ جات متحدہ میں کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی جس کو جامع معنوں میں تشدد کی پالیسی کہا جائے۔

مدراس کے متعلق اخبار مذکور لکھتا ہے کہ وہاں بھی مسٹر پٹرو نے جو حال میں وزارت کے عہدہ پر مقرر ہوئے ہیں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بغیر امداد ممبران اگزکٹو کونسل کے وزرا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ مسٹر پٹرو ڈائرکی کے خلاف ہیں۔ بمبئی میں وزرائے تعلیم و آبکاری نے عملاً یہ قبول کیا ہے کہ وہ اپنے خیالات کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ آگے جا کر اخبار مذکور لکھتا ہے کہ مدراس میں وزرا کی پارٹی اگزکٹو کونسل کے برخلاف کھلی بغاوت کر رہی ہے۔ اور بمبئی میں دونوں وزیر گورنمنٹ کے آدھین ہیں اور ان سے تمیز نہیں کئے جا سکتے۔

ان تمام واقعات کی موجودگی میں اخبار مذکور کی رائے میں صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ریفارم سکیم ان صوبہ جات میں ناکامیاب ثابت ہوئی ہے۔ جہاں اس کی کامیابی کی سب سے زیادہ امیدیں تھیں جو محکمہ جات وزرا کے سپرد ہیں۔ ان میں وہ اپنی پالیسی کے مطابق عمل نہیں کر سکتے اور مضامین محفوظ کے متعلق انکا انفلوانیس صفر ہے۔

ہم خوش ہیں کہ ہمارے ماڈریٹ بھائیوں کو ۹ مہینے کے تجربہ نے تبلا دیا ہے کہ یہ ریفارم سکیم ناقابل اطمینان ہے۔ اور اس سے کوئی قابل قدر اختیارات ہندوستانیوں کو نہیں ملے۔ اب ماڈریٹ بھائی یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ صوبہ جات میں فوراً یا دو تین سال کے اندر مکمل سیلف گورنمنٹ مل جانی چاہئے۔ ہمیں امید کامل ہے کہ تجربہ انکو بتا دیگا کہ یہ نیم دلی یا دو دلی نہایت ناتسلی بخش ہے اور ہماری بیماریوں کا علاج صرف سوراجیہ سے ہو سکتا ہے

حصہ دوم زیر طبع

سوراج

کراچی کا مکمل مقدمہ

فدایان ملت کا پورا مقدمہ کراچی قیمت عمہ

بیان مولانا محمد علی صاحب کراچی	۴؍	تقاریر مولانا ظفر علے خاں	۹؍
تقاریر مولانا محمد علی صاحب حصہ اول	۸؍	خطبہ مولانا آزاد سبحانی	۶؍
" " حصہ دوم	۸؍	سمرنا کی خونی داستان	۳؍
خطبہ صدارت مولانا محمد علی صاحب	۵؍	اسیر مالٹا کا پیغام (مولانا حسین احمد صاحب)	۴؍
تقریر مدراس	۳؍	درس خلافت	۸؍

دنیائے اسلام اور خلافت ۔ از مولانا سید سلیمان ندوی صاحب ۴؍

جدید تصانیف مولانا ابوالکلام آزاد

خطبہ صدارت تقریری جلسہ لاہور	۶؍	صدائے حق	۸؍
خطبہ صدارت تحریری جلسہ لاہور	۶؍	دعوت حق	۶؍
تازہ مضامین ابوالکلام آزاد	۱۰؍	حزب اللہ	۱۲؍
جہاد اور اسلام	۶؍	خطبات سیاسیہ	۸؍
ہندوستان پر حملہ	۳؍	دعوت عمل	۸؍
مضامین ابوالکلام حصہ اول	۱۰؍	اتحاد اسلامی	۳؍

مضامین ابوالکلام آزاد حصہ دوم و سوم زیر طبع ہیں

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

و برداشت کیا تھا اور اپنے مذہب پر قائم رہے تھے اور جب اُن کے ہم خیالوں کی تعداد
بر ہوگئی تو انہوں نے اپنے موئدین سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمیں قلیل التعداد والی جماعتوں
تشدد نہ کرنا چاہئے۔ ہمیں بھی یہی مناسب ہے کہ زبان سے اور نہ ہاتھ پاؤں سے اُن لوگوں
کی تعداد قلیل ہے تشدد نہ برتیں ورنہ ہم اپنی حماقت سے اپنی ترقی کھو بیٹھیں گے۔ ختم شد

ہندوستان کا تاریخی بیان

جو امام الاحرار مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے کلکتہ کے مجسٹریٹ کی کچہری میں دیا۔ عمدہ کاغذ پر

انگریزی حکومت اور عراق عرب

اس میں تمام انگریزی معاہدے جو اُنہوں نے عربوں اور شامیوں سے کئے اور اُن کے
عدم ایفا کے حالات۔ عربوں کو جو دھوکہ دیا گیا اُس کی کیفیت ۶ ر

ہندو مسلمان در ہندوستان

سنہ ۱۹۰۶ کے دلچسپ مضمون کا ترجمہ جس میں زمانہ موجودہ کی تمام اسکیم نان کواپریشن
کا ذکر ہے جس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اسکیم شروع سے سوچی گئی تھی عجیب کتاب
ہے۔ بہترین کاغذ پر۔ قیمت ۲ ر

مرقعہ اجتماعات احمد آباد

احمد آباد کی کانگریس۔ خلافت کانفرنس مسلم لیگ۔ اسٹوڈنٹ کانفرنس کے مفصل حالات
اس میں مولانا حسرت موہانی اور مسٹر سی آر داس کا خطبہ بھی درج ہے ۱۰ ر

ترک موالات دوسرے ممالک میں

مسٹر سی برو کوئی کی زبردست تصنیف کا ترجمہ جس میں دکھلایا ہے کہ کس طرح ہنگری مصر۔ کوریہ
نے پرامن ترک موالات کے ذریعہ سے آزادی حاصل کی ۱۰ ر

مشتاق احمد ناظم قومی دارالاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

مجموعہ مضامین مہاتما گاندھی

ہندوستان کے مسلمہ لیڈر مہاتما گاندھی جی کے مضامین کا مجموعہ۔ جس میں تشدد۔ سول ڈس اوبیڈینس ہندوستان کی موجودہ حالت۔ سوراج کا حصول۔ آزادی کی تعریف وغیرہ وغیرہ بیشمار مضامین ہیں حصہ اول ۱؍

سوراج

مصنفہ مہاتما گاندھی جی

انڈین ہوم رول مصنفہ مہاتما گاندھی جی کی کتاب کا اردو ترجمہ۔ اس کتاب کے مختلف زبانوں میں کتنے ہی ترجمے ہو چکے ہیں بے نظیر کتاب ہے جس میں کانگریس تقسیم بنگال۔ سوراج۔ انگلستان کی حالت۔ ہندوستان کیوں ہندوستانیوں کے ہاتھوں سے گیا۔ تمدن۔ ستیہ گرہ۔ تعلیم زندگی وغیرہ پر بہترین بحث ہے اور سوراج حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ ۸؍

مجموعہ مضامین لالہ لاجپت رائے

شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے جی کے مضامین کا مجموعہ۔ ابھی تیار کیا گیا ہے حصہ اول ۸؍ حصہ دوم ۸؍

دیگر مضامین لالہ لاجپت رائے جی

قومی تعلیم۔ قومی تعلیم کے فوائد حصول کے طریقے بتائے ہیں ۳؍

غلامی کی علامتیں اور غلامی کے نتائج۔ صرف نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ میں کیا ہے ۳؍

پالٹکس۔ پالٹکس پر لالہ لاجپت رائے جی کی بہترین بحث جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ۴؍

خطبہ صدارت مسٹر سی آر داس

فدائے ملک مسٹر سی آر داس صدر قومی پارلیمینٹ کا خطبہ صدارت ۲؍

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

MOONTS BOOK DEPOT
BUDAUN, U.P. (INDIA).

Author Rā'ē, Lājpat
Title Majmū'ah-'i m
MG4P .R134